55

ترجمہ : شیخ محمد احمد پانی پتی

بک لینڈ . لاہور

طابع و ناشر —
نذر محمد آپل

پرنٹرز { آپل اینڈ کمپنی ۔ دی مال ، لاہور
ریڈنگ پرنٹنگ پریس ۔ اردو بازار ۔ لاہور

اہتمام
آغا امیر حسین

پبلشرز : بک لینڈ ۔ دی مال ، لاہور

○ بار اول — ۱۱۰۰ ۔ اکتوبر ۵۷ء

١

عباس محمود

ترتیب

عباس محمود العقاد

مولانا جلال الدین سیوطیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا شمار اُن معدودے چند مایۂ ناز خواتین میں ہوتا ہے جن کا ذکر کئے بغیر اسلام کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی تھیں۔ تقویٰ اور طہارت کا بلند مقام انہیں حاصل تھا۔ علم و فضل اور تفقہ و اجتہاد میں ان کا ثانی نہ تھا۔ علوم دینیہ پر انہیں کامل دسترس حاصل تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا انہوں نے بنظرِ غائر مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سیر، احادیث اور تاریخ صحابہ میں جس کثرت سے حضرت عائشہؓ کا ذکر آتا ہے اور کسی خاتون کا نہیں آتا۔

عباس محمود العقاد، مؤلف کتاب ہٰذا نے حضرت عائشہؓ کی یہ سیرت عام مروجہ طریق سے ہٹ کر شخصیت نگاری کے جدید اسلوب کے مطابق تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے محض آپ کی زندگی کے جملہ واقعات بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نفسیاتی اور تاریخی لحاظ سے ان واقعات کا مکمل جائزہ لیا ہے اور ان کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

کتاب کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضرت عائشہؓ کے دینی اور علمی مرتبے کو

اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ایک "مثالی عورت" کی حیثیت میں بھی پیش کیا گیا ہے۔
اس لحاظ سے حضرت عائشہؓ کی یہ سوانح عمری منفردانہ اور امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔

کتاب کے آخر میں مولانا جلال الدین سیوطیؒ کے ایک قیمتی رسالے "عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشہ علی الصحابۃ" کا ترجمہ بھی بطور ضمیمہ شامل کر دیا گیا ہے اصل عربی رسالہ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی کتاب "سیرت عائشہ" کے آخر میں درج ہے اور اس سے قبل کتابی صورت میں حیدرآباد دکن سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس مختصر لیکن جامع رسالے میں ان علمی اور فقہی مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جن میں حضرت عائشہؓ نے دیگر صحابہ سے اختلاف کیا ہے اور ساتھ ہی اختلاف کی وجوہ بھی بیان کی ہیں اسے پڑھنے کے بعد اُم المومنین کی حیرت انگیز مجتہدانہ بصیرت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

الحاد اور بے دینی کے موجودہ دور میں مسلمان عوام کو اپنے اسلاف کے کارناموں سے روشناس کرانے کی بے حد ضرورت ہے۔ تاکہ وہ ان کے نقش قدم پر چل کر مذہب کی اصل روح کو اپنا سکیں۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب بھی اس مقصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت ہو اور ہماری خواتین حضرت عائشہؓ کے نقش قدم پر چل کر علمی ادبی، اخلاقی اور مذہبی میدانوں میں ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ آمین

محمد احمد پانی پتی
۱۹ جون ۱۹۵۷ء

عورت، عربوں کی نظر میں

عورت کے متعلق اہلِ عرب کے احساسات اور نظریات بہت سادہ اور طبعی تھے اسلام سے قبل وہ کسی شریعت کے پیرو اور کسی ضابطۂ اخلاق کے پابند نہ تھے۔ بدلتے ہوئے حالات اور وقتی ضرورتوں کے مطابق ان کے نظریات بھی تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ عورت کے متعلق مختلف مذاہب اور متمدن قبائل نے علیحدہ علیحدہ نظریات اور قوانین بنائے ہوئے تھے۔ جن کی انہیں بہرحال پابندی کرنی پڑتی تھی لیکن عرب نہ کسی قاعدے اور قانون کے پابند تھے اور نہ اپنے نظریات کو دوسری قوموں کے نظریات کے سانچے میں ڈھال سکتے تھے۔

قرونِ اولیٰ میں عورت بدی کا مجسمہ سمجھی جاتی تھی، اکثر مذاہب کا خیال تھا کہ یہ عورت ہی تھی جس نے انسان کے جدِ امجد حضرت آدمؑ کو جنت الفردوس

سے نکلوا کر تمام بنی نوع انسان کو مصائب، آفات اور مشکلات کی ایک ایسی دلدل میں پھنسا دیا ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ان کے لئے ناممکن ہو چکا ہے، عورت کو صرف بدی کا نہیں بلکہ ناپاکی کا مجسمہ بھی خیال کیا جاتا تھا کیونکہ لوگوں کا خیال تھا کہ لوگوں میں شہوانی جذبات ابھارنے اور بھڑکانے والی ذات صرف عورت کی ہے اور انسان سے جو شیطانی حرکات سرزد ہوتی ہیں، ان کی ساری ذمہ داری عورت پر پڑتی ہے۔

لیکن عرب اس نقطۂ نظر سے بالکل ناآشنا تھے اور انہوں نے کبھی غیر قوموں کی تقلید میں عورت کو ناپاکی اور بدی کا مجسمہ ٹھہرانے اور محض اس بنا پر اس سے تحقیر آمیز سلوک کرنے کی کوشش نہیں کی۔

رومیوں کی طرح عربوں نے عورت کے متعلق کوئی مخصوص اجتماعی پالیسی وضع نہیں کی۔ رومی ایک وسیع و عریض مملکت کے مالک اور حاکم تھے اور ان کے لئے مملکت کے باشندوں اور ان کے مختلف طبقات کے حقوق و واجبات کا تعین کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ بنیادی حقوق وضع کرتے وقت انہوں نے عورت کو ان لوگوں کے زمرے میں رکھا جو ہر طرح کمزور اور دوسروں کی مدد کے ہر وقت محتاج ہوتے ہیں۔ انہیں عورت کی

ذات سے کوئی کد نہ تھی۔ لیکن اس کی خلقی کمزوری اس کے لئے وبالِ جان بن گئی اور کمزوروں، ضعیفوں اور محتاجوں کے ساتھ جو سلوک ممکن ہو سکتا ہے۔ وہی عورت سے کیا گیا۔

لیکن عرب اس تہذیب و تمدن سے بالکل ناآشنا تھے جو ان کے ہمسایہ ممالک میں رائج تھی اور جس میں باشندوں کو کئی طبقات میں تقسیم کرکے ان کے ساتھ الگ الگ سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت بدویانہ تھی اور وہ ملکی قوانین کی بجائے اپنے نفس کی خواہشات کے پابند تھے اور نفسانی خواہشات حالات کے مطابق مختلف رنگ بدلتی رہتی تھیں کبھی تو وہ عورت سے لونڈیوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ اور کبھی اس قدر تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے کہ بیٹے کی نسبت باپ سے کرنے کی بجائے ماں سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ادب اور تاریخ کی کتابوں میں متعدد نام ہمیں ایسے نظر آتے ہیں، جن کی نسبت ان کے باپوں کی بجائے ماؤں سے کی گئی ہے۔

تاریخ عرب میں ہمیں ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں کہ کسی شخص نے محض عورت کی عزت بچانے کی خاطر اپنے دشمنوں سے ایسا خوفناک انتقام لیا کہ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بنو بکر اور بنو تغلب کی باہمی لڑائی اس کی ایک

ادنیٰ مثال ہے یہ جنگ جو چالیس برس تک جاری رہی، محض اس وجہ سے شروع ہوئی کہ بنو بکر کی ایک عورت بسوس کے ہاں ایک مہمان آکر ٹھہرا۔ بنو تغلب کے ایک سردار کلیب نے کسی وجہ سے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ یہ دیکھ کر بسوس کے بھانجے کو بیحد طیش آیا اور اس نے بسوس کے سامنے قسم کھائی کہ میں اس شخص کو، جس نے تمہارے مہمان کی اونٹنی کو زخمی کیا ہے قتل کئے بغیر نہ رہوں گا۔ چنانچہ اس نے اپنی قسم پوری کی اور کلیب کو اپنی خالہ کے مہمان کی اونٹنی کو زخمی کرنے یا بالفاظ دیگر اپنی خالہ کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی کسی سے پوشیدہ نہیں کہ یہ عرب ہی تھے جو اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر یا حد درجہ غربت کے باعث اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اور یہ ظالمانہ رسم اس وقت تک جاری رہی جب تک اسلام نے آکر اس کا بالکل خاتمہ کر دیا۔[1]

---

[1] عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر بچیوں کو زندہ درگور کرنے کی مشہور مثال قیس بن عاصم کی ہے۔ یہ شخص بنو تمیم کا سردار تھا کسی جنگ کے دوران میں اس کے دشمن اس کی بیٹی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ قیس نے اسے چھڑانے کی کوشش کی لیکن خود بیٹی نے

عورتوں سے ان کی نفرت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے، لیکن حالات کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان کی طبائع میں تضاد نہ تھا بلکہ ملک کے مخصوص معاشی حالات کے باعث وہ ایسا کرنے کے لئے مجبور تھے۔

(بقیہ حاشیہ) عیال داری کے باعث بیٹیوں کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک کرتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ صعصعہ بن ناجیہ نوزائیدہ بچیوں کو ان کے والدین سے خرید لیا کرتا تھا اور خود ان کی پرورش کرتا تھا۔ لڑکیوں کے ماں باپ بڑی خوشی سے انہیں صعصعہ کے ہاتھ بیچ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ اس نے اس طرح دو سو اسی لڑکیوں کو خرید کر ان کی جانیں بچائیں۔ اگر عرب محض عزت و ناموس کی حفاظت کی خاطر لڑکیوں کو قتل کیا کرتے تھے۔ تو وہ کبھی انہیں صعصعہ کے پاس نہ بیچتے۔ کیونکہ اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے والوں کے نزدیک اس سے زیادہ اور کیا بات عار کا موجب ہوگی کہ وہ اپنی لڑکی کو دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ قرآن کریم بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ عرب اپنی لڑکیوں کو مفلسی کے باعث بھی قتل کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتا ہے وَلَا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق (تم اپنی اولاد کو غربت کے ڈر کے سبب قتل نہ کرو)

جزیرہ نمائے عرب دراصل ایک عظیم صحرا ہے۔ جہاں سینکڑوں میل تک روئیدگی اور پانی کا نشان نہیں ملتا۔ عرب قبائل جہاں کہیں کوئی چشمہ اور نخلستان دیکھتے، وہاں ڈیرہ لگا لیتے۔ چونکہ چشمے بہت کم تھے اور آبادی زیادہ تھی۔ اس لئے ہر قبیلہ کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ وہ دوسرے قبیلے پر حملہ کر کے چشمہ پر خود قبضہ کرلے لیکن چشمے پر قابض قبیلہ بھی آسانی سے اپنی شکست ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا جگہ چھوڑنے کا مطلب اپنے آپ کو موت اور ہلاکت کے حوالے کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر قبیلے میں قومی غیرت بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔ اور وہ اپنی اور اپنی عورتوں کی عزت و ناموس کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز خیال کرتے تھے۔ انہیں بجا طور پر خیال رہتا تھا کہ اگر آج ہم اپنی اور اپنی عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے، تو کل اپنے قبیلے کی حفاظت کرنے میں بھی ناکام رہیں گے اور ہمارے دشمن ہمیں تپتے ہوئے صحراؤں میں دھکیل کر ہماری ہلاکت کو نزدیک تر لے آئیں گے۔

جہاں ہر دم عزت و ناموس کی حفاظت پر کمربستہ رہنے کا سبب تنگیٔ رزق تھا، وہاں لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا بڑا سبب بھی یہی تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر دشمنوں نے ہم پر حملہ کیا تو ہو سکتا ہے ہم اپنی عورتوں کی عصمت اور ان کی عزت

وناموس کی حفاظت کرنے میں کامیاب نہ ہوسکیں اور وہ دشمنوں کے ہاتھ آجائیں۔ اس صورت حال سے عہدہ برا ہونے کا بہترین طریقہ انہوں نے یہی سوچا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جائے تا آئندہ ان کی عزت وناموس پر کوئی حرف نہ آسکے۔

عربوں کو حصولِ رزق کے سلسلے میں جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ ان کی عورتیں عضوِ معطل رہنے کی بجائے قبیلہ اور خاندان کے لئے کارآمد وجود ثابت ہونے لگیں۔ وہ جنگل میں جا کر اونٹ اور بکریاں چرائیں، جانوروں کا دودھ دوہتیں، اون کاتتیں، خیمے بنائیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں، حتیٰ کہ حمل اور ولادت کے وقت اپنا علاج بھی خود ہی کر لیا کرتی تھیں۔ ان امور میں انہیں اتنی مہارت حاصل ہوگئی تھی کہ آج کل کی بہت سی متمدن اور تہذیب یافتہ اقوام کی عورتیں بھی ان کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔ اس جفاکشی کے باعث نہ صرف ان کی اپنی صحتیں اچھی رہتی تھیں۔ بلکہ اولاد بھی صحت مند اور خوبرو پیدا ہوتی تھی۔ یہی صحت مند اولاد بڑی ہو کر قبیلہ کے لئے عزت وافتخار کا موجب اور اس کی ناموری کا باعث ہوتی تھی۔

اگرچہ بدوی قبائل میں عورتوں کے ساتھ وہی سلوک ہوتا تھا جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے تاہم مہذب اور شہری خاندانوں اور سرداران قبائل میں بالعموم عورت کے جذبات کا خیال رکھا جاتا تھا اور وہ لوگ ان سے اسی عزت و احترام اور محبت و شفقت سے پیش آتے تھے، جس کی عورت درحقیقت مستحق ہے۔

تہذیب و تمدن کی روشنی میں عقلیں صیقل ہو جاتی ہیں طبیعتوں سے ہیجان کی کیفیت دور ہو کر سکون پیدا ہو جاتا ہے، اور باہمی میل ملاپ اور الفت و محبت کے جذبات ابھر آتے ہیں۔ ان خصوصیات اور خصائل کا اظہار خانگی زندگی سے شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات ہی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان میں عقل و شعور کس حد تک موجود ہے۔

مہذب اور متمدن لوگوں کی طرح سرداران قبائل اس امر کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنی لڑکیوں کے لئے ایسے بر تلاش کریں جو عزت و وجاہت کے لحاظ سے بلند حیثیت کے مالک ہوں۔ بمقابلہ طبع ادر کم درجے کے نوجوانوں کو کوئی سردار اپنا داماد بنانا پسند نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے عرب کے سرداران قبائل اپنی بیٹیوں کے بر کا انتخاب خود ہی کرتے تھے اور اس انتخاب میں بیٹیوں

کو بھی ضرور شریک کرتے تھے۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص حارث بن عوف مرّی قبیلہ طے کے سردار اوس بن حارثہ طائی کے پاس اپنا پیغام لایا۔ اوس اپنی بیوی کے پاس آیا اور سب سے پہلے اپنی بڑی بیٹی کو بلایا اور کہا "اے بیٹی! حارث بن عوف، جو عرب کا بہت بڑا سردار ہے، میرے پاس اپنا پیغام لے کر آیا ہے، میں چاہتا ہوں تمہاری شادی اس سے کر دوں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟" بیٹی نے جواب دیا "مجھے تو یہ رشتہ پسند نہیں" باپ نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا "میری شکل وصورت بھی اچھی نہیں اور طبیعت میں بھی تیزی ہے۔ وہ میرا برادر عم زاد تو ہے نہیں کہ رشتہ داری کا خیال کریگا اور نہ آپ کا پڑوسی ہے کہ اُسے آپ کا کچھ لحاظ ہوگا۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر اُسے کبھی میری کوئی بات بُری لگی تو آؤ دیکھے گا نہ تاؤ جھٹ مجھے طلاق دے دے گا اور اس کی ساری ذمہ داری مجھ پر اور آپ پر ہو گی"۔

یہ سُنکر اس نے اسے واپس بھیج دیا اور منجھلی لڑکی کو بلا کر اس کی رائے دریافت کی لڑکی نے جواب دیا "مجھے کوئی ہنر اور سلیقہ نہیں آتا۔ وہ مجھ سے جب بھی ناراض ہوگا، طلاق دے دے گا"

اب اس نے اپنی چھوٹی لڑکی بہیسہ کو بلایا اور وہی بات اس سے

بھی کہی۔ اس نے کہا" ابا جان! آپ بے شک میری شادی اس سے کرا دیجئے
میں خوبصورت ہوں، امورِ خانہ داری سے باخبر ہوں، لہٰذا اخلاق کی مالک
ہوں اور حسب نسب کے لحاظ سے بھی کسی سے کم تر نہیں ہوں گے۔ اگر وہ مجھے
طلاق دے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔"

چنانچہ اس نے اپنی اس لڑکی کا نکاح حارث سے کر دیا۔ اور وہ
اپنی دلہن کو لے کر اپنے قبیلے کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس زمانے میں قبیلہ
عبس اور ذبیان میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ گھر پہنچ کر بہیسہ نے حارث سے
کہا کہ جب تک تم دونوں قبیلوں کے درمیان صلح نہ کرا دو گے، اس
وقت تک تمہیں حجلۂ عروسی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے چنانچہ
حارث کو اپنی بیوی کا یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا اور بہیسہ کی عقلمندی سے
دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہو گئی اور یہ دونوں قبائل ایک بڑی
خونریزی سے بچ گئے۔

ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ کے متعلق بھی یہ روایت مشہور ہے کہ اسے
قریش کے دو بڑے سرداروں نے پیغام دیا تھا۔ اس نے اپنے والد سے
ان کے حالات دریافت کئے۔ والد نے کہا پہلا آدمی مالدار ہے۔ اگر تم

اس سے اچھی طرح پیش آؤ گی اور زوجیت کے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرو گی تو وہ بھی تمہیں اچھی طرح رکھے گا۔ لیکن اگر تمہارا سلوک اس سے نامناسب ہوگا تو وہ بھی تم سے بُری طرح پیش آئے گا۔ دوسرا شخص اعلیٰ حسب و نسب کا مالک ہے، عقل مند ہے، قومی غیرت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اپنے گھر والوں سے اس کا سلوک بہت اچھا ہے"۔

صفد نے کہا: "دوسرا شخص میرے معیار پر پورا اترتا ہے۔ اور چونکہ میں خود بھی انہی صفات سے متصف ہوں، اس لئے میری شادی اسی سے کر دیجئے"۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شادی سے قبل اپنی بیٹیوں سے مشورہ کر لینا سادات عرب کا خاصہ تھا اور شاذ ہی کوئی سردار اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے بطور خود اپنی بیٹی کی شادی کرتا تھا۔

کسی قوم کی مخصوص عادات و خصائل سے بالعموم اس کے ہر فرد کو حصہ ملتا ہے، کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ البتہ قوم کا ایک حصہ ایسا ہوتا ہے جس میں یہ خصائل بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ

خصائل صرف ان ہی لوگوں سے مخصوص ہیں، دُوسرے لوگوں پر محض ان کا پرتو پڑا ہے۔

بنو تیم کا شمار عرب کے معزز ترین قبائل میں ہوتا تھا اور تمام وہ خصائل جن سے عرب متصف تھے، بنو تیم میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ تہذیب و شائستگی بہادری اور شجاعت، نجابت اور شرافت غرضیکہ کوئی خصلت ایسی نہ تھی جس میں اس قبیلہ کا قدم دُوسرے قبائل سے بڑھ چڑھ کر نہ ہو۔

اس قبیلے کا سب سے معزز گھرانا ابوبکر کا تھا۔ قبیلے کی سیادت اسی خاندان کے افراد کے ہاتھ میں تھی اور شرف و عزت کے اعتبار سے یہ خاندان قریش کے چوٹی کے خاندانوں میں سے تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ تمام وہ خوبیاں جو عربوں میں پائی جاتی تھیں، اس خاندان میں بدرجہ اتم پائی جاتیں اور حقیقت بھی یہی تھی۔

جہاں یہ گھرانا حد درجہ رحم دل، نرم خو اور رقیق القلب تھا، وہاں اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے محبت اور اُلفت کرنے میں بھی اپنا جواب نہ رکھتا تھا چنانچہ "کتاب الانمانی" میں لکھا ہے کہ خاندان ابوبکر کی عورتوں کے متعلق عرب میں مشہور تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے زیادہ نصیبہ ور ہیں کیونکہ جس طرح

ان کے شوہر انہیں آرام سے رکھتے ہیں اور کوئی گھرانا نہیں رکھتا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے بیٹوں میں سے شاید ہی کوئی ہو گا جس کے متعلق ادب کی کتابوں میں اپنی بیوی سے غایت درجہ محبت کے واقعات مذکور نہ ہوں۔

آپ کا سب سے بڑا لڑکا عبداللہ تھا اس کی شادی عاتکہ بنت زید عدویہ سے ہوئی تھی۔ اسے اپنی بیوی سے اتنی محبت تھی کہ اس کے پیچھے اس نے دُنیا کے تمام دھندے ترک کر دیئے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق نے اسے بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیا۔ عبداللہ نے مجبوراً طلاق تو دے دی لیکن اس کے دل کو کسی طرح قرار نہ آسکا۔ بیوی کے فراق میں وہ ہر وقت دردناک اشعار پڑھتا رہتا تھا۔ چنانچہ کہتا ہے :-

"اے عاتکہ! میں اس وقت تک تجھے نہ بھول سکوں گا جب تک آسمان پر سورج اور چاند چمکتے رہیں گے۔ اے عاتکہ! میرا دل دن رات تیری فرقت کی وجہ سے بیتاب رہتا ہے اور میں ہر وقت تیری یاد میں مصروف رہتا ہوں اس جیسا تاریک دن میں نے اور کوئی نہیں دیکھا جب میں نے تجھے طلاق دی تھی۔ کاش! مجھ سے دنیا کی تمام چیزیں چھوٹ جاتیں مگر تیرا ساتھ نہ چھوٹتا یہ جدائی ہر چیز کی جدائی سے زیادہ دردناک ہے"۔

عبداللہ کے بھائی عبدالرحمٰن کو حضرت عمر بن خطاب نے ایک لونڈی لیلیٰ بنت جودی مرحمت فرمائی تھی جو بے حد خوبصورت تھی۔ عبداللہ کی طرح عبدالرحمٰن کو بھی اس سے انتہائی شیفتگی اور اُلفت تھی اور وہ اس کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح گوارا نہ کرتے تھے۔ ان کی اس حد درجہ شیفتگی کو دیکھ کر ان کی بہن حضرت عائشہ نے ایک مرتبہ انہیں ملامت بھی کی تھی۔

بنو تمیم میں عورت کے ساتھ جو حسن سلوک ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عرب کے معزز اور صاحب سیادت قبائل میں عورت کو کس نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اس قبیلہ میں عورت کا مرتبہ چونکہ بہت بلند تھا اس لئے اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کا بھی بیحد خیال رکھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اس معاملے میں سب سے زیادہ غیرت مند تھے۔ چنانچہ ابن سیرین کہتے ہیں کہ امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ غیرت مند شخص ابوبکرؓ تھے۔ عبداللہ عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ کی غیر حاضری میں چند اشخاص کسی ضرورت سے ان کی بیوی اسماء بنت عمیس کے پاس آئے۔ حضرت ابوبکرؓ کو یہ بات ناگوار گذری اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جس پر

حضورؐ نے لوگوں کو مردوں کی غیر حاضری میں غیر گھروں میں جانے کی ممانعت فرمادی۔

بنو تمیم کی ایک عورت عائشہ بنت طلحہ کے متعلق عمر بن ابی ربیعہ نے چند اشعار کہے اس پر قبیلہ والوں نے اسے دھمکی دی کہ اگر آج کے بعد اس نے اس قسم کے اشعار پڑھے تو اس سے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے قسم کھائی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے گا۔

بنو تمیم کے اسی گھرانے میں وہ جلیل القدر خاتون بھی پیدا ہوئی جس نے نہ صرف اپنے خاندان اور قبیلہ کا نام روشن کیا۔ بلکہ اہل دنیا کی نظروں میں اپنی صنف کا رتبہ بھی بلند تر کر دیا اور یہ خاتون وہی ہے جو اس کتاب کا موضوع ہے یعنی ——

عائشہ بنت عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسلام اور صنفِ نازک

اسلام نے آکر اخلاق اور تہذیب و تمدن کا وہ اعلیٰ معیار قائم کیا جو آج تک اقوامِ عالم کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ عورت کے ساتھ حسنِ سلوک اور مروّت و شفقت ہی کی مثال سامنے رکھ لیجئے۔ زمانۂ جاہلیت میں بالعموم عورت کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی۔ بدوی قبائل تو عورت کی کوئی حیثیت ہی نہیں سمجھتے تھے البتہ معزز شہری گھرانوں میں اسے کچھ مرتبہ حاصل تھا لیکن اسلام نے آکر اسے ہر قسم کے حقوق سے نوازا اور ان حقوق کو صرف اُونچے گھرانوں کی عورتوں سے مخصوص نہیں کیا بلکہ ہر طبقے کی مستورات کے لئے عام کر دیا۔ ان حقوق و مراعات کی بدولت ایک عام مسلمان عورت کا مرتبہ جاہلیت کے معزز ترین قبیلے کی عورت سے بھی بلند ہو گیا۔ اسلام عورت کو حقیر مخلوق نہیں سمجھتا۔ وہ اس کے احساسات

اور جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور دبانے کا روادار نہیں۔ اس کے برعکس اس کے حقوق قائم کرکے اس کی خودی کو بلند کر دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (جس طرح عورتوں کے ذمہ مردوں کے کچھ حقوق واجب ہوتے ہیں اسی طرح مردوں کے ذمہ عورتوں کے کچھ حقوق ہیں) ہاں چونکہ مردوں کو روزی کمانے کے لئے سخت جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے مردوں کو عورتوں پر یک گونہ فضیلت ضرور حاصل ہے۔

اسلام سے قبل عورت کو بھیڑ بکریوں کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ انہیں اپنے اوپر کوئی اختیار نہ تھا۔ مرد جس طرح چاہتے ان سے سلوک کرتے تھے لیکن اسلام نے آکر اس صورت حال کو یکسر بدل دیا۔ نکاح کے معاملات میں اس نے یہ لازمی قرار دیا کہ جب تک عورت کی ـــــ خواہ اس کا تعلق کسی امیر کبیر گھرانے سے ہو یا غریب گھرانے سے ـــــ رضامندی حاصل نہ کر لی جائے، اُس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے۔ چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔

"بیوہ عورت کا نکاح ثانی اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کر لیا جائے اور کنواری عورت اس وقت تک کسی کے عقد میں

نہ دی جائے، جب تک اُس کی رضامندی حاصل نہ کر لی جائے۔

اسلام نے عورت کو خرید و فروخت اور ملکیت کے بارے میں بھی کامل اختیار دیا ہے۔ عرب کے رواج کے بالکل برعکس وراثت میں اسے شریک ٹھہرایا ہے۔ جاہلیت میں تو عورت کو بھی گھوڑوں اور مال واسباب کی طرح ترکہ میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام نے آ کر اس ظالمانہ طریقے کو قطعاً ممنوع قرار دے دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (اے ایمان والے لوگو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم عورتوں کی مرضی کے خلاف انہیں مال وراثت سمجھ کر اپنے قبضہ میں کرو)

اسلام نے عورتوں کے لئے یہ بھی لازم قرار دیا کہ مردوں کی طرح وہ بھی بیعت کیا کریں۔ ان کے والدین، خاوندوں یا سرپرستوں کی بیعت ان کے لئے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کی نص سورۃ ممتحنہ کی ان آیات میں موجود ہے۔

یا ایہا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن

ولا یأتین ببهتان یفترینه بین ایدیهن وأرجلهن ولا یعصینک فی معروف فبایعهن واستغفر لهن الله ان الله غفور رحیم۔

ترجمہ اے نبی! اگر تمہارے پاس عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گی، چوری نہ کریں گی۔ زنا نہ کریں گی اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، بہتان طرازی سے کام نہ لیں گی اور نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو تم ان سے بیعت لے لو اور اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اسلام جہاں عورت کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور اس سے مروت کے ساتھ پیش آنے پر زور دیتا ہے وہاں اس سے شفقت محبت اور پیار کا سلوک کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ عرب میں اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تھی۔ تو سارے گھر کو سانپ سونگھ جاتا تھا اور ہر ایک شخص کے چہرے سے اداسی ٹپکنے لگتی تھی لیکن اسلام مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ لڑکی کے پیدا ہونے پر رنج والم اور غم وغصہ کا اظہار نہ کریں بلکہ اسی طرح خوشی منائیں، جس طرح لڑکے کے

پیدا ہونے پر مناتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت میں، جو لڑکی کی پیدائش پر غم و غصہ کا اظہار کرتے تھے، فرماتا ہے۔

واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ مسودا وھو کظیم یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ أیمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب۔ ألا ساء ما یحکمون۔

(ترجمہ) جب ان میں سے کسی شخص کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو رنج کے باعث اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے وہ بیٹی کی پیدائش کو عار خیال کرتے ہوئے لوگوں سے اپنا منہ چھپا لیتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا اس ذلت کو برداشت کرے یا اُسے زندہ درگور کر آئے۔ دیکھو تو وہ کیا ہی بری رائے قائم کرتے ہیں۔

بعض اوقات مرد کا دل اپنی بیوی سے پھر جاتا ہے اور وہ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے لیکن قرآنی تعلیم یہ ہے کہ مرد نفرت اور کراہیت کو محبت پر غالب نہ آنے دے اور اس سے حسب دستور سابق نیک سلوک کرتا رہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اسی میں اس کے لئے بھلائی مضمر ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعلی ان تکرھوا شیئًا ولیجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔

(ترجمہ) اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو۔ اگر کسی وجہ سے تمہاری طبیعت ان سے برگشتہ ہونے لگے تو نفرت کے اس جذبے کو ختم کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے تم کسی چیز سے نفرت کرتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے بھلائی مقدر کی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے احکام کی تعمیل میں صحابہ کو عورتوں سے عدل و انصاف سے پیش آنے اور ان سے نرمی اور شفقت کا سلوک کرنے کی بار بار تلقین کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:۔

"تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو عورتوں سے نیک سلوک کرتا ہے"
اور "جو شخص عورتوں سے نیکی سے پیش آتا ہے اور اُن کی توہین و تذلیل کے درپے رہتا ہے، وہ کمینہ ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں سے حسن سلوک کی جتنی تاکید فرمائی تھی اس کا اندازہ حضور کی اس حدیث سے ہو سکتا ہے۔

جس میں آپؐ فرماتے ہیں۔

"جبریل نے مجھے عورتوں کے بارے میں اتنی شدت سے احکام دئے کہ میں نے خیال کیا کہ کہیں وہ طلاق کی حرمت ہی کا حکم نہ لے آئیں،

عرب کے اونچے گھرانوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا، ان کے مرد تعلیم کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے لیکن اسلام نے آکر جہاں مردوں کے لئے تعلیم کو لازمی قرار دیا وہاں عورتوں کے لئے بھی اسے ضروری قرار دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، فرماتے ہیں:۔

"علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے" اسلام اسی پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ لونڈیوں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اسے اچھی طرح علم سکھائے اور اس کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھے، پھر اسے آزاد کرکے اس کی شادی کر دے تو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے"

یہ ہے وہ قدر و منزلت، جسے عورت نے اسلامی شریعت کے تحت حاصل

کیا۔ اور یہ ہے وہ اسلامی تعلیم جس پر عمل کرنا تمام مسلمانوں کے لئے لازمی ہے
زمانہ جاہلیت میں اونچے گھرانوں کی عورتوں کو حقوق حاصل تھے، اسلام نے
ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عورت کو ان سے بہت زیادہ حقوق عطا فرما دئے اور ان
کا درجہ اس قدر بلند کر دیا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ آج ہر
سو حقوق نسواں کا چرچا ہے اور عورت کو ہر شعبۂ حیات میں مردوں کے
مساوی حقوق دینے کی مہم زور شور سے جاری ہے لیکن اس سے انکار نہیں
کیا جا سکتا کہ اسلام نے ایسے وقت میں جب کہ عورت حقیقتاً غلامی کی زندگی
بسر کر رہی تھی، اسے زبردست حقوق و مراعات سے نوازا اور بنی نوع
انسان میں طبقہ نسواں کا درجہ بلند کر دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مسلمان
عورتوں کے بارے میں اسلامی تعلیم پر لفظ بلفظ عمل کریں تو عورتوں کو
ان حقوق سے بہت زیادہ حقوق مل جائیں جن کا وہ آج اپنے لئے
مطالبہ کر رہی ہیں۔

اسلامی تعلیم محض خوبصورت الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ بانیٔ اسلام
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہو بہو عمل کر کے ثابت کر دیا

کہ یہ تعلیم کتنی بابرکت اور فیض رساں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کو ایمان اور اخلاق کا معیار قرار دیا تھا اور بار بار فرمایا تھا۔

"تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ نیکی سے پیش آئے اور میں اپنے اہل وعیال سے ہمیشہ نیکی سے پیش آتا ہوں"۔

حضرت عائشہ رض بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت گھر میں تشریف فرما ہوتے تو کام کاج میں اپنے اہل وعیال کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔ البتہ جب نماز کا وقت آتا تو گھر سے نکل کر مسجد میں تشریف لے جاتے گھریلو امور میں بیویوں کا ہاتھ بٹانا آپ کا محبوب مشغلہ تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ بیویوں کا ہاتھ بٹانا بھی صدقہ میں شمار ہوتا ہے۔ آپ روزانہ صبح وشام اپنی بیویوں کے پاس جایا کرتے تھے اور نہایت بشاشت کے ساتھ ان سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:۔

"جب آپ اپنی بیویوں سے ملتے تو آپ کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی تھی اور آپ ان سے نہایت محبت آمیز گفتگو فرمایا کرتے تھے"

کسی شخص کے متعلق یہ کہنا یقیناً مبالغہ میں داخل ہوگا کہ وہ فلاں شخص پر اس کے والدین سے بھی زیادہ مہربان ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔ آپؐ اپنی بیویوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ مہربان تھے۔ حتیٰ کہ ان ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے۔ جو اپنی نرم دلی میں مشہور خلائق تھے مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

احادیث میں حضرت عائشہؓ سے ایک روایت مروی ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات کے متعلق مجھ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم میں بحث ہونے لگی حضور نے فرمایا "یوں فیصلہ نہیں ہوگا۔ کسی کو ثالث مقرر کر لو۔ کہو ابو عبیدہ بن جراح کو ثالث مقرر کرنے پر رضا مند ہو؟ میں نے کہا" نہیں وہ بہت سادہ مزاج انسان ہیں۔ ضرور آپؐ کی طرفداری کریں گے" حضورؐ نے فرمایا" اچھا اپنے والد کو ثالث مقرر کر لو" میں راضی ہو گئی اور حضور نے ابوبکرؓ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے حضورؐ نے مجھ سے کہا "تم بات بیان کرو" میں نے کہا" نہیں آپؐ بیان کریں" چنانچہ حضورؐ نے وہ بات جس کے متعلق بحث ہو رہی تھی، ابوبکرؓ کے سامنے بیان کی جب حضورؐ بات ختم کر چکے تو میں نے والد سے کہا" آپؓ بتائیے ہم دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟" انھوں نے یہ سنتے ہی میرے مُنہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور کہا" تو رسول اللہؐ کی بات کی مخالفت کرتی ہے؟" طمانچہ اس زور سے لگا تھا کہ میری ناک سے خون جاری ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

ہمارا یہ مقصد نہ تھا" یہ کہہ کر حضورؐ اپنے ہاتھ سے میرے منہ پر پانی ڈال کر خون پونچھنے لگے

اپنی بیویوں سے آپؐ کی محبت حقیقی محبت تھی، اس میں ریا اور نمود کا شائبہ تک نہ تھا۔ اپنی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات پر آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور اس سال کا نام ہی آپؐ نے عام الحزن (غم والا سال) رکھ دیا۔ عمر بھر آپؐ ان کی رفاقت کو نہ بھولے اور ہمیشہ رقت آمیز الفاظ میں ان کا ذکر کرتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضور علیہ السلام خدیجہؓ کا ذکر اس کثرت اور اتنی محبت سے کیا کرتے تھے کہ مجھے آپؐ کی زندہ بیویوں سے زیادہ خدیجہؓ پر رشک آنے لگا۔ آخر ایک دن مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپؐ بار بار اس بوڑھی عورت کا ذکر کیوں کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس سے اچھی بیویاں عطا فرمائی ہیں"۔

یہ سنکر حضورؐ نے فرمایا:۔

عائشہ یہ بات مت کہو۔ مجھے خدیجہؓ سے بہتر کوئی بیوی نہیں ملی وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ اس نے اس وقت میری تصدیق کی جب لوگوں نے میری تکذیب کی اُس نے اس وقت مال و دولت سے میری مدد کی جب لوگوں نے مجھے مال و دولت سے محروم کر دیا اور اللہ تعالیٰ

نے صرف اس سے مجھے اولاد عطا فرمائی ۔"

حضرت عائشہ رض بھی ان خوش قسمت خواتین میں سے ایک تھیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبّت اور شفقت کی نعمت نصیب ہوئی۔ اسی شفقت اور محبّت کے نتیجہ میں انہیں وہ مرتبہ حاصل ہوا جس کی گرد کو پہنچنا بھی ناممکن ہے ، ان کا شمار مسلمانوں کی ان اہم شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کے تذکرے کے بغیر تاریخ اسلام مکمل ہی نہیں ہو سکتی ۔

زندۂ جاوید خاتون

"تاریخ اقوام عالم کا مطالعہ کرنے سے کئی ایسی جلیل القدر عورتوں کا علم ہوتا ہے جنہوں نے اپنے عظیم کارناموں کی بدولت ناموری کی منازل طے کیں۔ یقیناً ایسی عورتیں اپنے مرتبہ کے لحاظ سے مستحق ہیں کہ تاریخ کے صفحات میں ان کا نام زندہ رکھا جائے لیکن عظیم تر شخصیت اس عورت کی ہوتی ہے جس نے دینی میدان میں محیرالعقول کارنامے سرانجام دئے ہوں۔ احکام شریعت کو لوگوں تک پہنچانے میں مردوں کے دوش بدوش کام کیا ہو اور اللہ و رسولؐ کے نزدیک اس کا مرتبہ امت کی عورتوں میں بلند تر ہو۔

حضرت عائشہ رضؓ کا شمار نہ صرف اوّل الذکر عورتوں میں بلکہ موخرالذکر طبقہ میں بھی ہوتا ہے۔ اور فضیلت ایسی ہے جو طبقہ اناث میں شاذ و نادر ہی کسی کو حاصل ہو۔

دینی مرتبے سے قطع نظر حضرت عائشہؓ کی ایک اور حیثیت بھی ہے جس کا ذکر
کئے بغیر ان کی سیرت پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی اور وہ یہ کہ ان کی شخصیت میں ہمیں
ایک ایسی عورت کا پتا ملتا ہے، جس میں نسوانی خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں
حضرت عائشہؓ ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر اہم شخصیت کے تذکرے کے
وقت اس امر کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کہ اس کا مرتبہ بحیثیت انسان کس قدر
بلند ہے۔ اس پہلو پر نظر کئے بغیر اس شخصیت کا تذکرہ نامکمل رہ جائے گا اور
قارئین اس کی کتاب زندگی کے ایک اہم باب سے محروم ہو جائیں گے کسی شخص
کی عظمت کا اندازہ جبھی ہو سکتا ہے جب اسے انسانیت کی کسوٹی پر پرکھا جائے
اس کسوٹی پر پورا اترنے کے بعد ہی اس کی عظمت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ نبی ہونے کی حیثیت
میں آپؐ نے عظیم الشان امور سرانجام دئیے، لیکن جب ہم حضورؐ کی زندگی کے اس
پہلو پر غور کرتے ہیں کہ آپؐ ایک ایسی جلیل القدر شخصیت ہونے کے باوجود،
جن کی رفعت شان کا اندازہ لگانا ناممکن ہے، گھریلو معاملات میں اپنے اہل و
عیال کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور لاکھوں انسانوں کا محبوب پیشوا ہونے کے
باوجود ہاتھ سے کام کرنے میں اپنی ہتک مطلق محسوس نہ کرتے تھے۔ اور

آپؐ کی گھریلو زندگی دوسرے عام لوگوں سے قطعاً مختلف نہ تھی تو آپؐ کی عظمت ہماری نظروں میں سینکڑوں گنا بڑھ جاتی ہے۔

(یہی حال حضرت عائشہؓ کا ہے۔ دینی لحاظ سے آپؓ بھی بلند مرتبہ کی مالک تھیں، اس کا اندازہ کرنا ہر کہ ومہ کا کام نہیں لیکن اسی کے ساتھ آپؓ میں تمام نسوانی صفات بھی پوری طرح جلوہ گر تھیں، جن کا اظہار آپؓ موقعہ بموقعہ کرتی رہتی تھیں۔ غیرت و محبت، ناز و ادا، بناؤ سنگھار کا شوق، جذبہ منافست و غیرت غرضیکہ جملہ نسوانی خصائل آپ کی ذات میں پوری طرح جمع ہو گئے تھے

(جذبہ منافست اور سوتوں کے مقابلے میں غیرت کے بیشتر پہلو حضرت عائشہؓ کی زندگی میں جمع تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ تھیں جو حضرت عائشہؓ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آنے سے کئی سال پیشتر وفات پا چکی تھیں، لیکن رشک کا جو جذبہ حضرت عائشہؓ کے دل میں حضرت خدیجہؓ کی طرف سے پایا جاتا تھا۔ وہ دوسری زندہ بیویوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی موجود نہیں تھا۔ اور اس کی واحد وجہ یہ تھی کہ حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ایسی جگہ قائم کر لی تھی کہ ان کی وفات کے بعد بھی حضورؐ کے دل سے ان کا خیال کبھی محو نہ ہو سکا اور جس خلوص اور

وفاداری کے ساتھ انہوں نے زندگی گزاری تھی، اس کا تذکرہ شب و روز حضورؐ کی زبان پر جاری رہتا تھا۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض غرباء اور محتاجوں کی تواتر سے امداد فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو حضورؐ نے فرمایا۔ "خدیجہؓ نے مجھے ان لوگوں سے حسن سلوک کرتے رہنے کی وصیت کی تھی"۔ یہ سنتے ہی حضرت عائشہؓ غصے میں آ کر کہنے لگیں:۔

"خدیجہ۔ خدیجہ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے نزدیک روئے زمین پر سوائے خدیجہ کے اور کوئی عورت ہی نہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی حلیم الطبع تھے لیکن حضرت عائشہ کی یہ بات سن کر آپؐ نے ان سے بولنا چھوڑ دیا۔ آخر ان کی والدہ امّ رومان نے ان کی سفارش کی اور کہا "یا رسول اللہ! عائشہ کم سن ہے آپؐ اس کی باتوں کا زیادہ خیال نہ فرمایا کریں"۔ تب حضورؐ ان سے راضی ہوئے۔

ایک مرتبہ حضور خدیجہؓ کا ذکر کر رہے تھے، حضرت عائشہ کہنے لگیں "یا رسول اللہ آپؐ ہر وقت اس بوڑھی اور سرخ باچھوں والی عورت کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس سے بہتر بیوی عطا فرما دی ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "عائشہ تمہارا خیال غلط ہے۔ خدیجہ سے بڑھ کر مجھے اور کوئی بیوی نہیں ملی۔ وہ مجھ پہ اس وقت ایمان لائی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ اس نے اس وقت مجھ پر اپنا مال خرچ کیا جب لوگوں نے مجھے مال و دولت سے محروم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کے ذریعے مجھے اولاد عطا فرمائی۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بیوی زینبؓ بنت جحش آپؐ کے لئے شہد کا انتظام کیا کرتی تھیں اور حضورؐ بہت شوق سے اُسے نوش فرمایا کرتے تھے چونکہ زینبؓ تمام امہات المومنین میں سب سے زیادہ خوبصورت تھیں اور حضورؐ ان کا خیال بھی بہت رکھتے تھے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کو فکر پیدا ہوا کہ کہیں حضورؐ کی کامل توجہ انہی کی طرف مبذول نہ ہو جائے۔ انہوں نے حفصہ بنت عمرؓ کے ساتھ مل کر ایک سکیم تیار کی جس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کو اس شہد کی طرف سے پھیر دیا جائے جو زینبؓ آپؐ کے لئے مہیا کرتی ہیں اس سکیم کا حال حضرت عائشہؓ خود اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتی ہیں:-

"میں نے اور حفصہ نے مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ ہم میں سے جس کسی کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جائیں تو وہ آپؐ سے کہے "یا رسول اللہ! آپؐ نے مغافیر نوش فرمایا ہے؟ مغافیر ایک شیریں لیکن بدبودار چیز ہوتی ہے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے حفصہ کے پاس تشریف لے گئے حضورؐ کے بیٹھتے ہی انہوں نے کہا "یا رسول اللہ آپؐ کے مُنہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے" آپؐ نے فرمایا "میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ زینبؓ بنت جحش کے پاس شہد ضرور پیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس میں مغافیر کی بدبُو ہو آئندہ میں وہ شہد نہیں پیوں گا۔"

حضرت عائشہؓ کی ایک اور سوت صفیہؓ کھانا پکانا بہت اچھا جانتی تھیں اور ان کے ہاتھ کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت شوق سے تناول فرماتے تھے حضرت عائشہؓ کو یہ بات بری لگی وہ خود ذکر کرتی ہیں۔ کہ میں نے صفیہ سے بہتر کھانا پکانے والی اور کوئی عورت نہیں دیکھی، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف فرما تھے کہ صفیہ نے ایک لکڑی کے پیالے میں حضورؐ کے لئے کچھ کھانا بھیجا۔ وہ یہ دیکھ کر اپنے غصے کو ضبط نہ کرسکیں اور پیالے کو اتنے زور سے زمین پر مارا کہ وہ ٹوٹ گیا۔ لیکن فوراً ہی انہیں اپنے فعل پر ندامت محسوس ہوئی اور انہوں نے عرض کیا

"یا رسول اللہ! میرے اس فعل کا کیا کفارہ ہو سکتا ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا "برتن کے بدلے برتن اور کھانے کے بدلے کھانا۔"

تمام بیویوں میں حضرت ام سلمہؓ حضرت عائشہؓ کا کھلم کھلا مقابلہ کیا کرتی تھیں
چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طبیعت اور سرشت سے اچھی طرح واقف
تھے اس لئے ان سے بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کو یہ دیکھ کر بہت
تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے کہا "آپ سارا دن کہاں رہے؟" حضور نے
جواب دیا "حمیرا! میں ام سلمہ کے پاس تھا۔" میں نے کہا "نہ معلوم ام سلمہ کے
پاس بیٹھ کر آپ کو کیا ملتا ہے؟" حضور یہ سنکر مسکرا دئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔
میں نے کہا "یا رسول اللہ! یہ تو بتلائیے دو گھاٹیاں ہوں۔ ایک گھاٹی بنجر ہو
جس کا سبزہ جانوروں نے کھا کر ختم کر دیا ہو اور ایک گھاٹی سرسبز و شاداب ہو
اور جانوروں سے بالکل محفوظ تو آپ کس گھاٹی میں سیر کرنا پسند کریں گے؟" حضور
نے جواب دیا "سرسبز شاداب گھاٹی میں" میں نے کہا "تب میرا رتبہ دوسری تمام
بیویوں سے بلند تر ہے۔ کیونکہ میرے سوا اور کوئی کنواری عورت آپ کے عقد میں نہیں
آئی۔" یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مسکرا دئے۔

جو عورت ایسی معمولی باتوں کے باعث اپنی سوتوں پر رشک کا اظہار کر سکتی
ہے اس کے متعلق یہ اندازہ کرنا دشوار نہ ہوگا کہ کسی بیوی سے اولاد پیدا ہونے

پر اس کے جذبہ رقابت نے کس حد تک ترقی کی ہو گی۔ چنانچہ اُمّ ابراہیم ماریہ قبطیہؓ کے خلاف حضرت عائشہؓ کا جذبۂ غیرت باقی سب بیویوں سے بڑھا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنے اس جذبۂ رشک و غیرت کو دیگر بیویوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپایا بھی نہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ وہ آپ کی ناراضی برداشت نہ کر سکتی تھیں، لیکن اسی کے ساتھ وہ ایک عورت کا دل بھی اپنے اندر رکھتی تھیں اور ان کی نسوانی طبیعت تقاضا کرتی تھی کہ جب وہ اپنی کسی سوت میں کوئی ایسی خوبی دیکھیں۔ جو ان کے محبوب خاوند کی توجہ کو ان سے ہٹانے والی ہو تو اس کے خلاف منافست، غیرت اور رشک کا اظہار کریں۔ جہاں یہ امر طبعی ہے کہ اپنے خاوند سے سچی محبت رکھنے والی بیوی اپنے خاوند کی مسرت میں پورے طور پر حصہ دار ہوتی ہے، وہاں یہ امر بھی فطرت کے عین مطابق ہے۔ اگر اس کے خاوند کی مسرت کا اصل باعث اس کی کوئی سوت ہو تو وہ اس پر رشک و غیرت کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

رشک و حسد کے اس مظاہرے کو دیکھ کر کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان پر ناراض بھی ہو لیتے تھے لیکن اس سے مقصود محض انکی اصلاح ہوتی تھی نہ کچھ اور چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے صفیہؓ کے متعلق کہہ دیا کہ وہ تو ٹھگنے قد کی عورت ہیں۔ یہ بات سن کر حضورؐ ناراض ہوئے اور فرمایا "عائشہ! تم نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ جسے اگر سمندر کے پانی میں بھی ملانا چاہو تو ملا سکتی ہو"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ کو یہ سبق سکھانا چاہتے تھے۔ کہ کسی کی تحقیر کرنا، اس پر پھبتی اڑانا اور استہزاء سے پیش آنا کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ چہ جائیکہ ام المومنین اور زوجۂ رسول اللہ کو۔

ناز و ادا اور بات بات پر خاوند سے روٹھ جانا بھی عورت کی طبیعت کا ایک خاصہ ہے حضرت عائشہؓ کو اس خصلت سے بھی حصہ وافر ملا ہوا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ ناز و ادا میں بہت کم عورتیں آپ کی ہم پلہ ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کے نان و نفقہ میں اضافہ کیا جائے کیونکہ انہیں جو گزارہ ملتا ہے وہ ان کی ضروریات کے لحاظ سے بہت کم ہے لیکن یہ امر ازواج النبی کی شان کے خلاف تھا کہ وہ بھی دنیادار لوگوں کی طرح مال و دولت کے پیچھے پڑ جائیں۔ پہلے تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے لیکن جب اس مطالبہ نے شدت اختیار کی تو آپ ان سے ناراض ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک مہینہ تک نہ کسی بیوی کے پاس جائیں گے نہ کسی سے بات کریں گے ادھر مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دی۔

یہ خبر سنکر لوگوں میں سخت ہیجان برپا ہو گیا۔ کیونکہ رسول اللہ کا اپنی سب بیویوں کو طلاق دے دینا معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس کا اثر عام مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ ان قبائل پر بھی پڑتا تھا جن سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے سلسلۂ مصاہرت قائم کیا تھا۔ صحابہ پر اس غیر معمولی خبر کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت عمر بن خطاب کے ایک انصاری دوست نے رات کے وقت یہ خبر سنی وہ بھاگے بھاگے حضرت عمرؓ کے مکان پر آئے اور اتنے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ حضرت عمرؓ سخت اضطراب کی حالت میں باہر نکل آئے اور پوچھا کہ کیا ہوا۔ انہوں نے کہا "میں ایک ہولناک خبر لیکر تمہارے پاس آیا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "وہ کیا؟ کیا عسائیوں نے حملہ کر دیا؟" انصاری دوست نے کہا "نہیں وہ خبر اس سے بھی زیادہ وحشت انگیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔

یہ سنکر حضرت عمرؓ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور ان سے حقیقت حال دریافت کی معلوم ہوا کہ حضور نے طلاق نہیں دی بلکہ صرف ایک ماہ کے لئے بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ حضرت عمرؓ نے حضور سے اجازت لے کر مسلمانوں تک (جو سخت اضطراب کی حالت میں مسجد میں جمع تھے) یہ خبر پہنچا دی کہ طلاق کی خبر غلط ہے۔

اس امر پر تو کسی کو شبہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس واقعہ سے سب سے زیادہ قلق امہات المومنین کو ہوا تھا۔

کیونکہ اس کا براہ راست تعلق ان ہی سے تھا اور ایسی سخت سزا اس سے قبل انہیں کبھی نہ ملی تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کا ان کے دل پر گہرا اثر تھا اور یہ پورا مہینہ انہوں نے سخت بےچینی کی حالت میں گزارا۔

انتیس دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاخانہ سے اترے اور سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اگرچہ انہیں جدائی کا ایک ایک لمحہ کاٹنا دشوار ہو رہا تھا لیکن وہ اپنے ناز و ادا کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکیں اور پہلی بات جو ان کے منہ سے نکلی وہ یہ تھی :-

یا رسول اللہ! آپ نے قسم کھائی تھی کہ آپ مہینہ بھر تک ہم سے علیحدہ رہیں گے

لیکن ابھی تو انتیس دن ہی ہوئے ہیں آپ کیسے تشریف لے آئے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔"
کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ حضرت عائشہؓ پورے تیس دن تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جدا رہنے کی خواہش مند تھیں اور اس میعاد کے گذرنے سے حضور کا اپنے پاس آنا پسند نہ کرتی تھیں۔ انہیں تو آپ کی جدائی کے باعث ایک لمحہ کے لئے بھی قرار نہ تھا۔ لیکن ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ اپنے پہلو میں ایک عورت کا دل رکھتی تھیں اور ایک عورت اپنے خاوند سے جس قدر ناز و ادا سے ساتھ پیش آئے اچھا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ بہتان طرازی کا وہ افسانہ ہے، جسے منافقین نے اپنے ناپاک مقاصد کی مطلب براری کے لئے گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلایا تھا۔ اس واقعہ کا علم حضرت عائشہؓ کو مہینہ بھر بعد ہوا۔ اپنے متعلق اس قسم کے ناپاک الزامات کا ذکر سُنکر انہیں انتہائی صدمہ ہوا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے گھر چلی گئیں۔ وہاں والدین سے شکوہ کیا کہ ایک مہینے سے شہر میں اس قسم کے چرچے ہو رہے ہیں لیکن انہوں نے اُس کے متعلق ایک حرف

بھی انہیں نہیں بتایا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں:

"میں اپنے والدین کے گھر ہی میں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے سلام کیا اور بیٹھ گئے، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرمایا۔ عائشہ! تمہارے بارے میں اس قسم کی باتیں میرے پاس پہنچی ہیں۔ اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ خود تمہاری بریت نازل فرمائے گا۔ اور اگر تم واقعی اس گناہ میں ملوث ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو وہ غفور الرحیم بھی اسے معاف کر دیتا ہے"

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات ختم کر چکے تو میرے وہ آنسو جو کئی دن سے جاری تھے، یکایک تھم گئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میری آنکھوں میں آنسو کا کوئی قطرہ تھا ہی نہیں۔ میں نے والد سے کہا: رسول اللہ کو جواب دیجئے۔" انہوں نے فرمایا: "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں۔"

اس پر میں نے والدہ سے کہا: "آپ جواب دیجئے۔" انہوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔

"میں اس وقت کم سن تھی اور زیادہ قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں تھا۔ یہ باتیں سنکر میں نے کہا:-

"آپ نے یہ بات اتنے تواتر سے سُنی ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے اور آپ نے اسے تسلیم کر لیا ہے اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے۔ لیکن اگر میں کسی گناہ کا اعتراف کر لوں حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ جھٹ میری بات مان لیں گے ....

خدا کی قسم! میں صرف وہی بات کہہ سکتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے والد نے کہی تھی۔ یعنی فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون (صبر کرنا ہی بہتر ہے اور ان باتوں کے مقابلے میں جو تم بیان کرتے ہو، اللہ تعالیٰ ہی میرا مددگار ہے"۔

"اس کے بعد میں منہ پھیر کر اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

" .... خدا کی قسم! ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اُٹھے نہ تھے اور گھر والوں میں سے کوئی بھی باہر نہ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی۔ اس وقت شدت سرما کے باوجود موتیوں کی مانند پسینے کے قطرے حضور کے چہرۂ مبارک سے ٹپک رہے تھے۔ جب یہ حالت

بجانی رہی تو آپ مسکرائے اور پہلی بات یہ کی: "عائشہ تمہیں بشارت ہو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری برأت نازل فرما دی ہے۔"

"یہ سنکر میری والدہ کہنے لگیں "عائشہ! کھڑی ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔"

"میں نے کہا: "خدا کی قسم! نہ میں کھڑی ہوں گی اور نہ اللہ کے سوا کسی کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی۔"

اس موقعہ پر حضرت عائشہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھ جانا فطرت کے عین مطابق تھا۔ ان پر ایک ایسا بہتان لگایا گیا جس سے وہ بالکل پاک تھیں لیکن کسی شخص نے کھلم کھلا اس کی تردید نہ کی بعض لوگ خاموش رہے اور بعض نے انتہائی غیر مناسب طریقے پر اسے موضوع گفتگو بنا لیا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی برأت نازل فرمائی تو رنج اور خفگی کی وجہ سے وہ حضور سے روٹھ گئیں اور آپ نے بھی انہیں بڑا نہیں منایا۔

بعض اوقات حضرت عائشہؓ ناراض ہو جاتیں لیکن اپنی ناراضی کو خاطر نہ ظاہر ہونے دیتیں۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً بھانپ جاتے ایک مرتبہ حضور نے فرمایا:۔

عائشہ، جس وقت تم مجھ سے ناراض ہو جاتی ہو تو مجھے فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے پوچھا: "یا رسول اللہ وہ کیسے؟"

حضورؐ نے فرمایا۔

"جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو، محمدؐ کے رب کی قسم فلاں بات اس طرح ہے، اور جب ناراض ہو تو کہتی ہو، ابراہیمؑ کے رب کی قسم! یہ اس طرح ہے۔

یہ سُن کر حضرت عائشہؓ نے کہا۔

"یا رسول اللہ! یہ بات ٹھیک ہے۔ ناراضی کے وقت میں صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں"۔

ناز و ادا کی یہ کیسی بہترین مثال ہے جو حضرت عائشہؓ نے پیش کی۔

نسوانی طبیعت کے تقاضے کے باعث انہیں اپنے بچپن کے واقعات سے دلچسپی تھی اور ان واقعات کو بڑے پرلطف طریقے سے بیان کیا کرتی تھیں گو زوجۂ رسول اللہ ہونے کی وجہ سے بہت تنگی سے گذارہ کرتی تھیں باایں ہمہ

انہیں بناؤ سنگھار کرنے اور زرق برق کپڑے پہننے کا بہت شوق تھا۔ خود بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ میں اپنے گھر میں اکیلی تھی نئے کپڑے پہنے ہوئے ٹہل رہی تھی اور بار بار انہیں دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اتنے میں ابوبکرؓ گھر میں آئے اور کہا:۔

عائشہ! تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تمہیں نہیں دیکھ رہا؟"

میں نے پوچھا" کیوں؟"

انہوں نے جواب دیا:۔

"جب کسی دنیوی چیز کی وجہ سے بندے میں خود پسندی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک وہ اس زیبائش والی چیز کو اپنے سے علیحدہ نہ کر دے۔"

یہ سن کر میں نے وہ کپڑے اتار دئے اور کچھ صدقہ بھی دیا۔ اس پر ابوبکرؓ نے کہا:۔

"اب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا گناہ بخش دے گا۔"

اس واقعہ سے حضرت عائشہؓ کی سیرت کے دونوں پہلو ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نسوانی خصوصیات کی حامل ہونے کی وجہ سے ان میں بناؤ سنگھار کرنے اور

نئے نئے کپڑے پہننے کا بے حد شوق تھا اسی لئے وہ اپنے کپڑوں کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف وہ ام المومنین تھیں اور ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان سے کبھی ناراض نہ ہو۔ اس لئے جونہی انہیں معلوم ہوا کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا موجب ہوتی ہیں فوراً انہیں ترک کر دیا۔

عائشہ رضؓ

حضرت عائشہؓ "ام رومان" کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ امِّ رومان کے نام اور نسب کے متعلق اختلافات پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کا نام "زینب" تھا اور بعض کہتے ہیں "دعد" تھا۔ وہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عقد میں آنے سے قبل وہ عبداللہ بن حارث بن سنجرہ کی زوجیت میں تھیں اور ان سے ایک لڑکا "طفیل" بھی پیدا ہوا تھا۔ عبداللہ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ان سے شادی کر لی۔

وہ بہت ذکی اور فہمیدہ خاتون تھیں۔ انہیں آغاز اسلام ہی میں ایمان لانے کی توفیق ملی اور وہ مسلمان ہو گئیں۔ بعد میں ہجرت کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اللہ دین حقہ کی راہ میں ان کے نامور شوہر نے جو تکلیفیں اٹھائیں اُن میں وہ اُن کی

برابر کی شریک رہیں۔ ان کے صدق و اخلاص کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:۔

"جو شخص اس دنیا میں جنت کی حور کو دیکھنا چاہے، وہ ام رومان کو دیکھے"

ان کے سنہ وفات کی تعیین میں بھی اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ہی میں وفات پاگئی تھیں۔ لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانے تک زندہ رہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی موخرالذکر روایت کو لیا ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہی روایت مختلف وجوہات کی بنا پر قابل ترجیح ہے۔

یہ امر متحقق نہیں ہو سکا کہ حضرت عائشہ رضؓ کس سنہ میں پیدا ہوئیں۔ تاہم اغلب خیال یہ ہے کہ ان کی ولادت ہجرت سے گیارہ یا رہ سال قبل ہوئی اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد زوجیت میں آنے کے وقت ان کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ بنتی ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ کی رنگت سرخ و سفید تھی اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں "حمیراءؓ" کے نام سے پکارتے تھے۔ قد لمبا تھا کیونکہ احادیث سے پتہ لگتا ہے کہ وہ ٹھگنے قد کو ناپسند کرتی تھیں چنانچہ

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سوکن حضرت صفیہؓ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا

"یا رسول اللہ! وہ تو پست قد کی عورت ہے"۔

یہ سنکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

"عائشہ! تم نے (اخلاقی لحاظ سے) ایسی بات کہی ہے کہ اگر اُسے سمندر کے پانی میں بھی ملانا چاہو تو مل سکتی ہے۔

بچپن میں وہ بہت دبلی پتلی ہوتی تھیں۔ چنانچہ "واقعہ افک" کے ذیل میں وہ خود فرماتی ہیں:۔

"........ ہودج کو اونٹ پر کسنے والے آئے اور میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ ان کا خیال تھا میں اسی میں ہوں۔ اس زمانے میں عورتیں دبلی پتلی ہوتی تھیں اور ان پر گوشت چڑھا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کو خوراک بہت کم ملتی تھی۔ میں تو اس زمانے میں تھی بھی کم سن چنانچہ جس وقت ہودج اٹھانے والوں نے ہودج کو اونٹ پہ رکھا تو ہلکا ہونے کے باوجود انہیں ہودج کے خالی ہونے کا شبہ بھی نہ ہوا"۔

"تاہم چند سال بعد ان میں قدرے موٹاپا آگیا تھا، چنانچہ ایک دوسرے

موقع پر فرمایا:۔

"...... میں ایک دفعہ سفر کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی۔ اس وقت میں کم سن ہی تھی اور مجھ پر گوشت چڑھا ہوا نہ تھا۔ راستے میں حضور نے اپنے ہم سفر لوگوں سے فرمایا "ذرا آگے بڑھ جاؤ" چنانچہ لوگ آگے بڑھ گئے تو حضور نے مجھ سے کہا "آؤ دوڑ کا مقابلہ کریں دیکھیں کون بازی لے جاتا ہے" میں چونکہ دبلی پتلی تھی اس لئے حضور سے آگے نکل گئی۔ حضور خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ پھر ایک دفعہ دوبارہ سفر کا موقع پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب سابق لوگوں کو آگے بھیج کر مجھ سے دوڑ کا مقابلہ کرنے کے لئے کہا۔ اس وقت مجھ پر گوشت چڑھ چکا تھا۔ اس لئے میں دوڑ میں حضور سے پیچھے رہ گئی۔ حضور مسکرائے اور فرمایا:۔

"عائشہ! وہ پچھلا بدلہ اتر گیا"

حضرت عائشہ رضی کی بیان کردہ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شدید بخار کی وجہ سے ان کے بال جھڑ گئے تھے۔ چنانچہ منجملہ دیگر روایات کے ایک روایت یہ بھی ہے ایک مرتبہ انہوں نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"تم میں سے جس عورت کے بال ہوں وہ انہیں سنوار کر رکھے"[1]

جنگ جمل کے واقعات پڑھ کر یہ علم بھی ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ جہیر الصوت تھیں اور تقریر میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ جب وہ اپنے ہودج پر سوار ہو کر فوج سے خطاب کرتی تھیں تو سارے لشکر میں سناٹا چھا جاتا تھا اور ہر شخص ہمہ تن گوش ہو کر آپ کی تقریر سنتا تھا۔

حضرت عائشہؓ کے حلیہ اور عادات و خصائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر عادات و اخلاق انہیں اپنے والد محترم سے ورثہ میں ملے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نہایت خوبصورت انسان تھے۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ "عتیق" کا لقب انہیں خوبصورتی ہی کی وجہ سے ملا تھا۔ وہ چھریرے بدن کے تھے، آپ

---

[1] اس سلسلہ میں واضح روایت وہ ہے جس میں حضرت عائشہؓ اپنے نکاح اور رخصت کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں (مکہ میں) ہوا تھا۔ ہم جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں اترے وہاں مجھے بخار آنے لگا جس سے میرے سر کے تمام بال جھڑ گئے" بخاری

طرح حضرت عائشہ رضؓ بھی دبلی پتلی تھیں، حضرت صدیق رضؓ کی طبیعت میں قدرتے تیزی
تھی، حضرت عائشہ رضؓ کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ بہت ذکی اور فہیم انسان تھے حضرت
عائشہ رضؓ کی ذکاوت و فطانت میں بھی کون شبہ کر سکتا ہے۔ حضرت صدیق بیحد
رحمدل اور محتاجوں، غریبوں مسکینوں کی حد درجہ ہمدردی کرنے والے تھے،
حضرت عائشہ رضؓ بھی سخاوت اور فیاضی میں ایسی ہی تھیں اور غریب اور مسکین عورتوں
پر بے حد شفیق اور مہربان تھیں۔

ابوبکر رضؓ نے جاہلیت اور اسلام کسی زمانے میں بھی جھوٹ نہیں بولا اور اسی وجہ
سے صدیق کہلائے۔ حضرت عائشہ رضؓ سے بھی زندگی بھر میں ایک جھوٹ ثابت نہیں
اور اسی خصلت کے باعث آج تک آپ کو صدیقہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔
حضرت صدیق رضؓ بڑے فصیح و بلیغ تھے، حضرت عائشہ رضؓ کی طلاقت لسانی کے ذکر
سے بھی کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ غرضیکہ عادات اطوار اور اخلاق کے
لحاظ سے حضرت عائشہ رضؓ بالکل اپنے والد کی مثل تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کی گفتگو سنتے تو فرمایا کرتے:۔

"کیوں نہ ہو، آخر ابوبکر رضؓ کی بیٹی ہے۔"

یہ امر عام طور پر مشاہدہ میں آتا ہے کہ جس شخص کی طبیعت میں تیزی ہوتی

ہے اسے گو غصہ جلدی آجاتا ہے لیکن یہ حالت تھوڑی دیر تک رہتی ہے کچھ دیر بعد جب اس کا غصہ اتر جاتا ہے تو اسے یاد بھی نہیں رہتا کہ کیا واقعہ ہوا تھا ایسا شخص درگذر کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتا اور بہت جلد قصور واروں کو معاف کر دیتا ہے۔ یہی حال حضرت عائشہؓ کا بھی تھا۔ اگر کسی فرد کی طرف سے انہیں تکلیف پہنچتی تو وہ بہت جلد اسے معاف کر دیا کرتی تھیں۔ البتہ واقعہ افک کی یاد ہمیشہ آپ کے دل میں جاگزیں رہی اور آپ بہتان لگانے والوں اور ان کی باتوں کو کبھی نہ بھول سکیں۔ ایسا کرنے میں آپ یقیناً حق بجانب تھیں۔ حضرت عائشہ رضی پر ہی موقوف نہیں، کوئی بھی پاکباز عورت ایسے اوچھے اور ناپاک اتہام کو برداشت نہیں کر سکتی جس سے اس کی عصمت پر ذرا سا بھی حرف آتا ہو۔ چنانچہ اس غم واندوہ کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ جو صدیقہ کو واقعہ افک کی وجہ سے پیدا ہوا تھا۔ اس ایک واقعہ کے علاوہ اور کوئی واقعہ ہمیں ایسا نہیں ملتا کہ حضرت عائشہؓ کو کسی جانب سے کوئی تکلیف پہنچی ہو اور آپ نے اسے فراموش نہ کر دیا ہو۔

مسروق ہمدانی بیان کرتے ہیں :۔

"میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حسان بن ثابت

بھی موجود تھے اور اپنی لڑکی کا مرثیہ پڑھ رہے تھے جب وہ اس شعر پر پہنچے

رزان حصان ما تزن بریبة

وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

(وہ پاک دامن اور باوقار تھی مشتبہ نہیں تھی اور بھولی بھالی لڑکیوں کا گوشت کھانے (یعنی غیبت کرنے) سے باز رہتی تھی)

تو حضرت عائشہ نے کہا "لیکن تم تو ایسے نہیں ہو"[1]

یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور عرض کیا کہ آپ حسان کو باریابی کی اجازت کیوں دیتی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہی کے متعلق فرمایا ہے :۔

والذی تولّٰی کبرہ منھم لہ عذاب الیم (جس شخص کا اس بہتان میں بڑا حصہ تھا، اسے بہت بڑا عذاب بھگتنا پڑے گا)

یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا "تم دیکھتے نہیں یہ کس قدر دردناک عذاب میں مبتلا ہیں۔ ان کی آنکھیں جاتی رہی ہیں"۔

---

[1] حسان بن ثابت بھی حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانے والوں کے ساتھ تھے حضرت عائشہؓ نے اسی طرف اشارہ کیا (مترجم)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ کو اس واقعہ کا کتنا رنج تھا حتیٰ کہ انھوں نے حسان کو حیا بھی دیا کہ تم نے مجھ پر کیا اتہام لگایا تھا۔

البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے حسّان کو معاف کر دیا تھا۔ چنانچہ یوسف بن ماہک اپنی والدہ کی زبانی یہ روایت بیان کرتے ہیں:۔

"میں حضرت عائشہ رضؓ کے ساتھ خانۂ کعبہ کا طواف کر رہی تھی۔ باتوں باتوں میں حسان کا ذکر آ گیا۔ میں نے انہیں بُرا بھلا کہا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا "تم حسّان کو بُرا بھلا کہتی ہو حالانکہ انھوں نے یہ شعر کہا ہے۔

فان ابی و والدہ و عرضی   لعرض محمد منکم وقاء

(میرے باپ دادا کی اور میری عزت و آبرو محمد کی عزت تم (کافروں) سے بچانے کے لئے سپر ہے)

میں نے کہا "کیا حسان ان لوگوں میں نہیں ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتہام لگانے کی پاداش میں دُنیا اور آخرت میں لعنت بھیجی ہے؟"

حضرت عائشہ رضؓ نے جواب دیا:۔

"یہ حسان ہی تو ہیں جنہوں نے میرے متعلق یہ اشعار کہے ہیں۔

حصان رزان ماتزن بریبۃ   وتصبح غرثٰی من لحوم الغوافل

فان کان ما قد جاء عنی قلتہ   فلا رفعت سوطی الی أناملی

عائشہ تو بہت باوقار اور پاکباز خاتون ہیں۔ ان کی عصمت و عفت کے متعلق شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ بھولی بھالی لڑکیوں کا گوشت نہیں کھاتیں۔ اگر وہ باتیں جو میری طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اسے سچ ہوں تو خدا کرے میرا ہاتھ بالکل شل ہو جائے)

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں:۔

"میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ حسّان بن ثابت کا جنازہ گزرا۔ میں نے ان کی نسبت کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے مجھے روک دیا اور ان کے اشعار کا ذکر کرنے لگیں۔ انہوں نے فرمایا۔ تم حسّان کو برا بھلا کہتے ہو حالانکہ یہ شعر انہی کا ہے۔

فان ابی ووالدہ عرضی
لعرض محمد منکم وقاء

(میرے باپ دادا کی اور میری عزت و آبرو محمد کی عزت تم (کافروں) سے بچانے کے لئے سپر ہے)

بہرحال یہ امر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ گو حسان کی باتوں کو حضرت عائشہؓ فراموش نہ کر سکتی تھیں لیکن آپ نے درگذر سے کام لیا اور ان کی غیبت سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کیا۔

حضرت عائشہؓ میں سخاوت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ خصلت انہوں نے اپنے والد محترم سے ورثہ میں پائی تھی۔ اور وہ ان کے نقش قدم پر چلنا اپنا فرض خیال کرتی تھیں، غلاموں کو آزاد کرنے ابیکسوں کی ہمدردی کرنے محتاجوں کی مدد کرنے اور مصیبت زدوں کی تکلیفیں دور کرنے میں ان کا مال بے دریغ خرچ ہوتا تھا۔ ان کی غرباء پروری، سخاوت اور بذل و عطا کی یہ حالت عسر و یسر ہر حالت میں یکساں رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کی زندگی بہت عسرت میں بسر ہوتی، مال و دولت تو کجا دو وقت کھانے کو بھی مشکل ہی سے میسر آتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور مدینے میں دولت کی ریل پیل ہونے لگی تو امہات المومنین کے بیش قرار وظیفے مقرر ہو گئے،

لیکن حضرت عائشہؓ کے معمول میں فرق نہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ان کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، یہ خیال کئے بغیر کہ اگلے دن کی روٹی کا انتظام کس طرح ہوگا، وہ اُسے محتاجوں میں تقسیم کر دیتی تھیں اور بعد میں جب مال و دولت کی افراط ہوگئی، تب بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ وظیفہ آیا ہو اور شام سے پہلے پہلے غریبوں میں تقسیم نہ ہوگیا ہو۔

عتبہ بن ابو المولب کی ایک حبشی لونڈی بریرہ تھی جس کی شادی اس کی مرضی کے بغیر مغیث نامی ایک غلام سے ہوگئی تھی۔ بریرہ کو اپنے شوہر سے سخت نفرت تھی، اور وہ اس سے تعلق رکھنا قطعاً پسند نہ کرتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس پر ترس کھا کر عتبہ سے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بریرہ کا نکاح حالت غلامی میں اس کی رضامندی کے بغیر کر دیا گیا تھا۔ اب اگر وہ چاہے تو اسے فسخ کر سکتی ہے یا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:۔

"اب وہ اپنی مالک و مختار آپ ہے۔ اسے اختیار ہے چاہے فسخ کر دے چاہے قائم رکھے"۔

بریرہ کے شوہر کی حالت اس کے برعکس تھی۔ وہ اس سے بے انتہا محبت

کرتا تھا اور ہر وقت بریرہ کے پیچھے پھرتا رہتا تھا لیکن بریرہ اس سے مطلق ملتفت
نہ ہوتی تھی۔ میاں بیوی کی ان متضاد حالتوں کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو بہت تعجب ہوا اور آپ نے صحابہ سے تذکرہ فرمایا کہ بریرہ کے شوہر کو دیکھو اگرچہ
بیوی اس سے سخت نفرت کرتی ہے لیکن اس کی محبت کا یہ حال ہے کہ وہ اس
سے جدا ہونا مطلق پسند نہیں کرتا۔ بالآخر آپ نے بریرہ سے کہا "اللہ سے
ڈرو اور اپنے عقد کو ترک کر دو۔ وہ تمہارا شوہر ہے اور تمہارے بچے کا باپ ہے"
اس نے کہا "کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں؟" حضور نے فرمایا "نہیں میں حکم تو نہیں
دیتا صرف سفارش کرتا ہوں" لیکن بریرہ اس پر بھی راضی نہ ہوئی اور کہا "مجھے
اپنے شوہر سے نفرت ہے اور میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی"۔

حضرت عائشہؓ نے بریرہ پر جو احسان کیا تھا اس کا یہ اثر ہوا کہ بریرہ مستقل
طور پر ان ہی کی خدمت میں رہنے لگی اور مرتے دم تک آپ کے احسان کو نہ بھولی
حضرت عائشہؓ کو اخلاق حسنہ سے جو حصہ وافر ملا ہوا تھا اس کا سب سے بڑا
سبب اس پاک ہستی کا قرب تھا جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمۃ للعالمین
کا خطاب مرحمت ہوا تھا۔ اور جو سچے طور پر یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولیٰ
تھا۔ عائشہؓ کو جو فطری خصائل ودیعت کئے گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی پاک صحبت نے انہیں اوج کمال تک پہنچا دیا۔ ثبوت کے لئے ذیل کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:-

حضرت عائشہ رضی کے پاس ایک یتیم لڑکی فارعہ بنت اسعد تھی۔ اس کی شادی انہوں نے نبیط بن جابر انصاری سے کی اور اُسے شوہر کے گھر چھوڑنے خود تشریف لے گئیں جب واپس آئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "تم نے کچھ گانے بجانے کا سامان بھی کیا تھا یا نہیں؟" انہوں نے جواب دیا: "یا رسول اللہ گانے بجانے کا تو کوئی سامان نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"تمہیں چاہئے تھا کسی لڑکی کو بھیج دیتیں جو دف بجاتی اور یہ گیت گاتی

اتیناکم اتیناکم	فحیونا نحییکم
ولولا الذهب الاحمر	ما حلت بوادیکم
ولولا الحنطة السمراء	ما سمنت عذاریکم

گیت کا ترجمہ یہ ہے "ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے، تم ہمیں سلام کرو ہم تمہیں سلام کرتے ہیں۔ اگر سونا نہ ہوتا تو زیور کا بھی نام و نشان نہ ہوتا اور اگر دانہ گندم نہ ہوتا تو تمہاری دوشیزاؤں پر کبھی گوشت نہ چڑھتا۔" (مترجم)

حضرت عائشہؓ کی ایک خادمہ ام ذرہ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ نے انہیں دو بڑی تھیلیوں میں ایک لاکھ درہم بھیجے اس دن وہ روزے سے تھیں۔ انہوں نے ایک طباق منگایا اور رقم کو اس طباق میں ڈال کر بانٹنا شروع کیا۔ شام ہوئی تو انہوں نے کھانے کے لئے کچھ لانے کو کہا۔ میں نے عرض کیا "ام المومنین! افطار کے لئے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا اس رقم سے ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں لیکن آپ نے سب کی سب رقم تقسیم کر دی" حضرت عائشہؓ نے فرمایا "ام ذرہ! مجھے ملامت نہ کرو۔ اگر تم اسی وقت مجھے یاد دلا دیتیں تو میں رکھ لیتی۔

عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے میرے سامنے ستر ہزار کی رقم خیرات کر دی اور دوپٹے کا گوشہ جھاڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ان روایات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سخاوت اور احسان میں حضرت عائشہؓ کس حد تک بڑھی ہوئی تھیں۔

عادات و خصائل میں حضرت عائشہؓ صحیح معنوں میں اپنے والد کی بیٹی تھیں۔ اخلاق و عادات میں جو اشتراک ان دونوں میں پایا جاتا تھا۔ اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ لیکن جو خصلت سب سے بڑھ کر ان دونوں میں تھی وہ صدق

کی تھی۔ یہ خصلت نہ صرف دونوں باپ بیٹیوں میں مشترک تھی بلکہ ان کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان مایۂ لاامتیاز بھی تھی۔ اسی کی وجہ سے حضرت ابوبکر کا لقب "صدیق" مشہور ہوا اور اس لقب نے اتنی شہرت پائی کہ اس کے سامنے لوگ آپ کے اصلی نام کو بھول گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صدق و اخلاص کا امتحان بڑے نازک مرحلوں پر لیا۔ لیکن وہ دہکتی آگ میں سے ہمیشہ کندن بن کر ہی نکلے۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بھی کئی بار ایسا ہی ماجرا گزرا اور انہیں بھی اس کسوٹی پہ بار بار پرکھا گیا۔ لیکن ہر بار انہوں نے اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچایا کہ انہوں نے اپنے والد سے جو میراث پائی تھی اُسے وہ کسی طرح بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس خوفناک وقت کا تصور کرو جب سارا عالم اسلامی اختلافات کی آگ میں جل رہا تھا۔ فریقین اپنی تائید میں جھوٹی حدیثیں گھڑ گھڑ کر انہیں عامۃ الناس کے سامنے بے محابا پیش کر رہے تھے۔ جھوٹی حدیثیں بنانے والوں کا ایک پورا گروہ چند ٹکوں کی خاطر اس ناپاک مشغلے میں مصروف تھا۔ حالات نے ایسا رُخ اختیار کر لیا تھا۔ کہ حضرت عائشہؓ کو بھی مجبوراً سیاست میں دخل دینا پڑا تھا۔ وہ چاہتیں تو بہت آسانی سے لوگوں کو ایسی احادیث سنا سکتی تھیں جن سے ان کے

مخالفین کی تنقیص مطلوب ہوتی کسی شخص کو بھی ان پر شک کرنے کی گنجائش نہ ہوتی کیونکہ ان کا بیشتر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں گزرا تھا لیکن انہوں نے اپنا دامن اس آلودگی سے ہمیشہ محفوظ رکھا اور احادیث بیان کرتے وقت کبھی بھی اپنی زبان سے کوئی لفظ ایسا نہ نکالا جسے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہو۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی۔ لیکن حضرت علیؓ کی منقبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا کبھی اس کی تردید نہ کی اور اُن کے مرتبے اور علم و فضل کا ہمیشہ اعتراف کیا۔ یہ امتحان ایسا تھا جس سے بڑھ کر امتحان ممکن نہ تھا۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ راست گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھا اور نفسانی خواہشات کی دلدل میں پھنس کر کبھی اپنے دامن کو جھوٹ سے آلودہ نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص ان سے کوئی حدیث روایت کرتا ہے تو کہتا ہے "ہم سے یہ بات صدیقہ بنت صدیق نے بیان کی"۔

ذکاوت و فطانت اور بدیہہ گوئی میں بھی وہ اپنے والد کے ہم پلہ تھیں۔ ان کے ہم عصر لوگوں میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جو فہم و فراست عقل و کیاست، معاملہ فہمی اور دور بینی میں ان کا مقابلہ کر سکتا ہو، نتائج کو اخذ کرنے

اور معاملات کی تہہ کو پہنچ جانے کی حیرت انگیز صلاحیت ان میں موجود تھی۔

ابوالزناد ذکر کرتے ہیں کہ عروہ بن زبیرؓ کو بڑی کثرت سے اشعار یاد تھے کسی شخص نے ان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ شعر حفظ کرنے میں تو آپ کو کمال حاصل ہے۔ انہوں نے کہا "میرا کمال حضرت عائشہؓ کے کمال کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ ان کی تو یہ حالت تھی کہ جب کبھی کوئی واقعہ پیش آتا وہ فوراً اس کے مناسب حال شعر پڑھ دیا کرتی تھیں۔

عروہ بن زبیرؓ حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے اور آپ کو ان سے بیحد محبت تھی۔ عروہ بھی اپنی خالہ کی بے حد تعظیم اور توقیر کرتے تھے اور ان کے متعلق کوئی ایسی بات بیان نہیں کرتے تھے۔ جو خلاف واقعہ اور ان کی شان میں بٹہ لگانے والی ہو۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے ادبی ذوق اور سخن فہمی کے متعلق جو روایات بیان کی ہیں ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ آپ کی قوت حافظہ کتنی زبردست تھی۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ یہ شعر پڑھ رہی تھیں:۔

ارفع ضعیفک لا یحربک ضعفہ　　یوماً فتدرکہ العواقب قد نما

یجزیک أو ثنی علیک وان من   أثنی علیک بما فعلت فقد جزی

ضعیف اور کمزور انسان کی مدد کرو اور اُسے پستی سے نکال کر اعلیٰ مقام پر پہنچانے کی کوشش کرو۔ یہ مت خیال کرو کہ یہ ضعیف اور کمزور انسان میری کیا مدد کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے ایسا دن بھی آجائے جب وہ تمہارے احسان کا پورا بدلہ چکا دے لیکن اگر وہ عملی طور پر احسان کا بدلہ نہ چکا سکے تب بھی کوئی بات نہیں کیونکہ اس کی دلی دعائیں ہی تمہارے لئے بہترین بدلہ ثابت ہوں گی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سنکر فرمایا:۔

"جبریل میرے پاس میرے رب کا یہ پیغام لے کر آئے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی پر احسان کرے اور وہ اس احسان کے بدلے میں اسے دعائیں دے یا اس کی تعریف کرے تو یہ دعائیں اور تعریفیں ہی اس کے لئے کافی ہیں"۔

حضرت عائشہ کو عروہ بن زبیرؓ کے کئی شعر یاد تھے اور وہ موقعہ بموقعہ انہیں پڑھا کرتی تھیں سخت گرمی کا موسم کا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اپنی جوتیوں کی مرمت کر رہے تھے۔ اور آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ

رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے کہا۔

"کاش عروہ اس حالت میں آپ کو دیکھتے، آپ ہو بہو ان اشعار کے مصداق ہیں۔

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خدّہ لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواحی زلیخا لورأین جبینہ لآثرن بالقطع القلوب علی الایدی

(اگر اہل مصر میرے ممدوح کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسف کی خریداری کے لئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں اس کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دل ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔

جب ان کے والد کا آخری وقت آیا تو اُن کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا:-

لعمری ما یغنی الثراء عن الفتی

اذا حشرجت یوما وضاق بہا الصدر

(میری جان کی قسم! جب انسان جان کنی کی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور سانس نہ آنے کی وجہ سے اس کا سینہ گھٹنے لگتا ہے۔ اس وقت مال و دولت کام نہیں آتا)

یہ شعر بھی اسی موقع پر انہوں نے پڑھا تھا۔

وابیض یستقی الغمام بوجہہ

ثمال الیتامی عصمۃ للأرامل

(وہ فیاضی اور سخاوت میں اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ معلوم ہوتا تھا بادل کو بھی پانی اسی کے ذریعے میسر آتا ہے وہ یتیموں کا خبر گیر اور بیواؤں کا محافظ ہے)

جس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر چکے تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

وکل ذی غیبۃ یؤب وغائب الموت لا یؤب

(نظروں سے اوجھل ہونے والی ہر چیز کی واپسی کی امید ہو سکتی ہے۔ اگر نہیں ہو سکتی تو اس شخص کی جسے موت نظروں سے اوجھل کر دے)

ایک مرتبہ انہوں نے عرب کے مشہور شاعر زہیر کے چند اشعار جو اس نے ایک شخص ہرم کی مدح میں کہے تھے سنے۔ وہ اشعار انہیں اس قدر پسند آئے کہ انہوں نے زہیر کی بیٹی سے کہا:۔

"وہ حلے جو تمہارے باپ نے ہرم کو پہنائے ہیں، امتداد زمانہ کے باعث بوسیدہ نہیں ہو سکتے"۔

مرجبہ اشعار کی تعریف ان الفاظ سے بہتر اور کس طرح ادا کی جا سکتی ہے
آپ کی قوت حفظ کا دائرہ شعر و سخن کے سوا دیگر اصناف علم کو بھی محیط
تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو احادیث آپ سے مروی ہیں ان کی
تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔ یہ اشعار مختلف مسائل کے متعلق ہیں۔ ان میں
شرعی احکام بھی بیان ہوئے ہیں اور اخلاقی نصائح بھی۔ نفسیاتی مسائل کا ذکر
بھی موجود ہے اور دینی اصولوں اور عبادات کی تفصیل بھی۔

۲۔ حضرت عائشہؓ کا علم صرف احادیث کو یاد رکھنے تک محدود نہ تھا بلکہ
آپ ہر حدیث کی باریکیوں اور علمی فقہی موشگافیوں سے بھی پوری طرح آگاہ
تھیں اور حسب ضرورت انہیں بیان کرتی رہتی تھیں۔

۳۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ "ہمیں بھی کسی مسئلے کے سمجھنے میں کوئی دقت
پیش آتی۔ تو ہم حضرت عائشہ کے پاس چلے جاتے اور ان سے زیر بحث مسئلے
کے متعلق دریافت کرتے۔ وہ نہایت عالمانہ طریقے سے اس مسئلے کے ما لہ
و ما علیہ سے ہمیں آگاہ کر دیتیں۔"

۴۔ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں:۔

"حضرت عائشہؓ ہم میں سب سے زیادہ فقیہہ، عالم اور عوام میں سب سے

زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔

مسروق ہمدانی ذکر کرتے ہیں:۔

"میں نے جلیل القدر اور اکابر صحابہ کو حضرت عائشہؓ سے میراث کے مسائل دریافت کرتے دیکھا ہے"۔

عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں:۔

"میں نے حلال وحرام کے مسائل، علوم وفنون، شعر اور طب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو باخبر نہیں دیکھا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس قسم کی احادیث منسوب کی جاتی ہیں کہ آدھا دین حمیراءؓ سے سیکھو۔ گو ان احادیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تاہم اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے احادیث اور علم دین کا بہت بڑا حصہ حضرت عائشہؓ کے ذریعے معلوم کیا ہے اور یقیناً اس خصوصیت میں وہ تمام صحابہ سے بڑھی ہوئی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرح حضرت عائشہؓ کو زمانہ جاہلیت کے واقعات اور قبائل و افراد کے حسب ونسب بھی ازبر یاد تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے علاوہ دیگر اقوام وملل کے حالات وواقعات سے بھی انہیں

گہری واقفیت تھی اور وہ بہت تفصیل سے ان کا ذکر کیا کرتی تھیں منجملہ دیگر واقعات کے ایک واقعہ کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

کفار مکّہ کے مظالم سے تنگ آکر جب بعض مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اہل مکّہ نے ایک وفد انہیں سزا دلانے اور واپس مکہ لانے کے لئے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ وفد قسم قسم کے عمدہ تحفے لیکر نجاشی کے دربار میں حاضر ہوا اور تحفے پیش کرکے مسلمانوں کو اُن کے حوالے کرنے کی درخواست کی لیکن نجاشی نے تحفے قبول کرنے اور مسلمانوں کو کفار قریش کے حوالے کرنے سے صاف انکار کردیا۔

"جب اللہ تعالیٰ نے میرا ملک مجھے لوٹاتے وقت رشوت نہیں لی تو میں کیسے رشوت لے سکتا ہوں۔ اور جب لوگوں نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے مقابلے میں میرے دشمن کے ہاتھ مضبوط کئے تو اب میں ان کی بات کیسے مان سکتا ہوں ؟"

مسلمان حیران تھے کہ نجاشی کی ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔ جب حضرت عائشہ رضؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:۔

"نجاشی کو اس کے حریفوں کی طرف سے سخت تکالیف پہنچ چکی ہیں ایک

درباری امیر نے سازش کرکے اس کا تخت و تاج خود چھین لیا اور اُسے غلام بنا کر کسی دور دراز علاقے میں بیچ ڈالا۔ لیکن بعد میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ نجاشی کو اپنا کھویا ہوا تخت و تاج دوبارہ حاصل ہو گیا۔ نجاشی نے دیگر بادشاہوں کے برعکس اپنے اندر خودسری نہ پیدا ہونے دی بلکہ غریبوں اور مظلوموں کی مدد کرنا اپنا شیوہ بنا لیا۔ مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کے بعد قریش مکہ کا وفد اس کے دربار میں پہنچا اور درخواست کی کہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ اس کے درباریوں نے بھی قریش کی اس درخواست کی حمایت کی اور بادشاہ پہ زور دیا کہ وہ مسلمانوں کو ان لوگوں کے حوالے کر دے۔ لیکن نجاشی نے نہ صرف ان کی اور اپنے درباریوں کی درخواست بپائے حقارت ٹھکرا دی بلکہ قریش کا وفد جو تحفے لے کر آیا تھا انہیں بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا۔

"جب اللہ تعالیٰ نے میری بادشاہت مجھے واپس کرتے وقت رشوت نہیں لی تو میں کس طرح رشوت لے سکتا ہوں اور جب لوگوں نے میری اطاعت نہیں کی اور میرے مقابلے میں میرے دشمن کے ہاتھ مضبوط کئے تو اب میں ان کی بات کیسے مان سکتا ہوں"۔

چنانچہ وفد مذکور خائب و خاسر ہو کر مکہ واپس آ گیا۔"

ذکورہ بالا روایت نہ معلوم کس حد تک صحیح ہے۔ ہمیں تاریخی لحاظ سے اس کی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ واقعہ ذکر کرنے سے ہمارا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اقوام و ملل کے حالات پر کتنا عبور حاصل تھا اور کس طرح وہ جزوی باتوں کو بھی اپنے ذہن میں محفوظ رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کو بیان پر بھی بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ جس وقت وہ تقریر کرنے کھڑی ہوتیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ سے فصاحت و بلاغت کا چشمہ ابل رہا ہے اور تشبیہ و استعارات کا دریا امڈا چلا آ رہا ہے ذیل میں ان کے خطبوں کے چند نمونے دئیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو سکے گا۔ کہ حضرت عائشہؓ کو زبان پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

جنگ جمل کے دوران ایک خطبے میں اپنے والد کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

"......... وابی ثانی اثنین اللہ ثالثھما، واول من سمی صدیقاً، مضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنہ راض، وقد طوقہ وھق الامامۃ ثم اضطرب حبل الدین فأخذ بطرفیہ ورتق لکم

اثناءہ فوقذ النفاق وغاض نبع الردۃ واطفأ ماحشت یہود،
وانتم یومئذ جحظ العیون تنتظرون الغدوۃ وتستمعون الصیحۃ
فرأب الثأی وأرذم الستقاء وامتاح من الھواۃ واحتھر دفن
الرواء حتی أعطن الوارد وأوردِ المصادر، وعلی الناھل فقبضہ
اللہ واطئاً علی ھام النفاق، مذکیا نار الحرب للمشرکین، فانتظمت
طاعتکم بحبلہ فولی أمرکم رجلا مرعیا اذا رکن علیہ، لبعید
ما بین الابتین عرکۃ بالأذاہ بجنبیہ صفوحاً عن أذاۃ الجاھلین
یقظان اللیل فی نصرۃ الاسلام"۔

"میرا باپ وہ جلیل القدر انسان تھا جسے غار ثور میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی مصاحبت کا شرف حاصل ہوا۔ اُس وقت میرے باپ کے علاوہ
رسول اللہ کے پاس اگر اور کوئی ذات تھی تو اللہ تعالیٰ کی۔ سب سے پہلے جس
شخص کو صدیق کے خطاب سے سرفراز کیا گیا وہ بھی میرا باپ ہی تھا۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت اس سے بیحد خوش تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے بعد امت کی امامت اُسی کے سپرد کی گئی، اس وقت اسلام
کے عالی منار میں تزلزل برپا تھا۔ میرا ہی باپ تھا جس نے اُسے سنبھالا۔ میرا

ہی باپ تھا جس نے نفاق کو بڑھنے سے روکا، ارتداد کا سرچشمہ خشک اور یہودیوں کی سیہ کاری کا قلع قمع کر دیا۔ تم اس وقت آنکھیں بند کئے فتنہ و فساد کے منتظر اور شور و غوغا پر گوش بر آواز تھے اس وقت صرف اسی کی شخصیت تھی جس نے دین کی دیوار میں پڑے ہوئے رخنوں کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی پوشیدہ بیماریوں کو دور کیا۔ سیراب ہونے والوں کو ان کی منزل مقصود تک پہنچایا، پیاسوں کو گھاٹ پر لا کر سیراب کیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے۔ انہیں دوبارہ پانی پلایا۔

"جب اس کے ذریعے نفاق کا سر کچلا جا چکا، مشرکین کے مقابلے میں لڑائی کی آگ بھڑکائی جا چکی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ دنیا سے رخصت ہوتے وقت وہ ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا گیا جو مسلمانوں کا انتہائی خیر خواہ اور حقیقی طور پر ان کا محافظ تھا مسلمانوں کے لئے اس کا دل اس قدر کشادہ تھا جیسے دو پہاڑیوں کا درمیانی فاصلہ۔ وہ موذی دشمنوں کا سر توڑنے والا اور جاہلوں سے درگزر کرنے والا تھا۔ اسلام کی تائید و نصرت کے لئے راتوں کو جاگنا اس کا شیوہ بن چکا تھا"

ایک اور خطبے میں اپنے والد کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

رحمك الله يا ابت! فلئن اقاموا الدنيا لقد أقمت الدين حين وهى شعبه، وتفاقم صدعه، ورجفت جوانبه، انقبضت عما اليه أصغوا، وشمرت فيما عنه ونوا، واستصغرت من دنياك ما اعظموا، ورغبت بدينك عما أغفلوا، طالوا عنان الامر واقتعدت مطى الحذر، فلم تهتضم دينك ولم تنس غدك، ففاز عند المساهمة قدحك وخف مما استوزروا ظهرك۔"

"ابا جان! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں اور افضال نازل فرمائے دوسرے لوگوں نے دنیا کمانے میں اپنی جد وجہد صرف کر دی لیکن آپ ہمہ تن دینی کاموں میں مصروف ہو گئے آپ نے دین کو اس وقت مضبوطی اور دنیا پر قائم کیا جب اس میں کمزوری راہ پا چکی تھی۔ اس میں دراڑ پڑ چکی تھی اور اس کی دیواریں پھیٹ چکی تھیں۔ بے راہ رو لوگوں نے جن کاموں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی آپ نے ان سے کنارہ کشی اختیار کی اور جن امور میں انہوں نے کمزوری دکھائی انہیں سرانجام دینے کے لئے آپ نے کمر ہمت کس لی۔ انہوں نے دنیا کو ترجیح دی مگر آپ نے اسے انتہائی حقیر شے سمجھتے ہوئے ترک کر دیا۔ وہ دین سے غافل ہو گئے لیکن آپ نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ شوخی اور شرارت

ہی باپ تھا جس نے نفاق کو بڑھنے استغفار کو اپنا ورد اور خوف خدا کو حرز جان کی سیہ کاری کا قلت سے غافل ہو گئے لیکن آپ کے دل میں ہمیشہ خدا کے دربار میں حاضر ہونے کا خیال جاگزیں رہا اور آپ ایک لمحہ کے لئے بھی آخرت کو فراموش نہ کر سکے۔ ان کے مقابلے میں آپ ہی کا بول بالا رہا اور جو بوجھ انہوں نے آپ کی کمر پر ڈال دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسے ہلکا کر کے آپ کو اطمینان بخشا۔"

والدہ کی وفات کے بعد وہ ان کے مزار پر آئیں اور وہاں کھڑے ہو کر اس طرح ان کی تعریف کی:۔

"نضر اللہ وجهك، وشكر لك صالح سعيك، فلقد كنت للدنيا مذلًا بإعراضك عنها، وللآخرة معزًا بإقبالك عليها ولئن كان أجل الحوادث بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم رزؤك وأعظم المصائب بعده فقدك إن كتاب الله ليعد بالعزاء لك حسن العوض منك، فأنا أتنجز من الله موعوده فيك بالصبر عليك، وأستعيضه منك، بالدعاء لك. فإنا لله وإنا إليه راجعون، وعليك السلام ورحمة الله توديع غير قالية

حیاتك ولا زارية على القضاء فيك"۔

"اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کے چہرے کو تر و تازہ رکھے اور دین اسلام کے استحکام کے لئے جو عظیم کوششیں آپ نے کیں ان کا بہترین بدلہ آپ کو دے۔ دنیا سے اعراض کر کے آپ نے اُسے ذلیل کر دیا اور آخرت کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کر کے اس کے لئے عزت کا سامان پیدا کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد سب سے دردناک حادثہ آپ کی وفات کا ہے اور آپ کا اس دنیا سے اُٹھ جانا حضور کے بعد سب سے بڑی مصیبت ہے۔ کتاب اللہ میں مصیبت پر صبر کرنے والوں کے لئے بڑے بڑے انعامات اور افضال کا وعدہ ہے اس لئے میں اس عظیم مصیبت پر صبر کر کے اللہ کے انعامات اور افضال کی امیدوار ہوں۔ جزع فزع کرنے کی بجائے میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ وہ آپ پر سلامتی اور رحمت نازل فرمائے اور آپ کو اپنی بخشش کی چادر میں ڈھانپ لے۔ فانا لله وانا اليه راجعون وعليك السلام ورحمة الله۔ خدا کے سپرد اے پاک نفس! جس کی زندگی ہمارے لئے مسرت کا موجب تھی اور جس کی جدائی ہمارے لئے عظیم الشان حادثہ کا پیغام لائی ہے"۔

جہاں تک فی البدیہہ خطبات کا تعلق ہے، ایسے موقعوں پر حضرت عائشہؓ چھوٹے چھوٹے لیکن دل میں کھب جانے والے فصیح و بلیغ اور مسجع و مقفیٰ دلکش فقرے استعمال کرتی ہیں لیکن جب ازدواجی زندگی کا حال بیان کرتی ہیں تو آسان اور سادہ اسلوب اختیار کرتی ہیں لیکن عبارت میں دلکشی اور فصاحت و بلاغت اس وقت بھی قائم رہتی ہے۔ چنانچہ اپنے رخصتانہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہیں:۔

"تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا ابنة ست سنین، فقدمنا المدینة فنزلنا فی بنی الحارث بن الخزرج فوعکت فتمزق شعری فوفی جمیمه فاتتنی امی ام رومان و انی لفی أرجوحة ومعی صواحب لی وصرخت بی فأتیتها لا أدری ما تریدبی! فاخذتنی بیدی حتی أوقفتنی علی باب الدار وانی لأنهج حتی سکن بعض نفسی، ثم أخذت شیئاً من ماءٍ فمسحت به وجهی ورأسی، ثم أدخلتنی الدار فاذا نسوة من الانصار فی البیت، فقلن علی الخیر والبرکة، وعلی خیر طائر فأسلمتنی إلیهن یصلحن من شأنی فلم یرعنی الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

منى فأسلمتنى اليه وأنا يومئذ بنت تسع سنين .....

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں (مکہ میں) ہوا تھا۔ جب ہم ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو بنو الحارث بن خزرج کے محلہ میں اترے۔ وہاں مجھے بخار آنے لگا جس سے میرے سر کے تمام بال جھڑ گئے سات آٹھ ماہ کے بعد رخصت کی تقریب عمل میں آئی۔ مجھے پہلے سے کچھ معلوم نہ تھا۔ ایک دن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ ام رومان نے مجھے آواز دی۔ میں ہانپتی ہوئی ان کے پاس پہنچی، انہوں نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر گھر کے دروازہ میں کھڑا کر دیا جب میرا سانس ٹھیک ہو گیا تو انہوں نے پانی سے میرا ہاتھ منہ دھویا۔ اس کے بعد مجھے لے کر گھر میں گئیں وہاں انصار کی کچھ عورتیں موجود تھیں انہوں نے دعائیہ فقروں سے میرا خیر مقدم کیا۔ میری والدہ نے مجھے ان کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے مجھے دلھن بنایا۔ دن چڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میرے والدین نے مجھے ان کے ساتھ رخصت کر دیا اس وقت میری عمر نو برس کی تھی۔"

حضرت عائشہؓ کو جس خدا داد قابلیت فہم و فراست، ذکاوت اور فطانت سے حصہ ملا تھا اس کا مختصر سا حال اوپر بیان ہو چکا ہے وہ ہمہ فن مولا تھیں۔ علم طب میں بھی انہیں دسترس حاصل تھی، علم الانساب سے بھی انہیں حصہ وافر ملا تھا۔ فن شعر کی ماہر ہونے کے لحاظ سے عرب کے بہت کم لوگ ان کے ہم پلہ تھے۔ علوم دینیہ میں عبارت کے لحاظ سے تو کوئی شخص بھی ان کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں علم فلکیات سے بھی دلچسپی تھی اور ان کی حیرت انگیز قابلیت کو دیکھتے ہوئے اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

یوں تو حضرت عائشہؓ کو ابتدائے عمری سے فہم و فراست کا ملکہ ودیعت ہو چکا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت نے اس فطری ملکہ کو مزید جلا بخشی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مروجہ اسلامی اور معاشرتی علوم میں حضرت عائشہؓ نے جو مقام حاصل کیا، ان کے ہم عصر اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔

ازدواجی زندگی

(حضرت خدیجہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی اور محبوب ترین بیوی تھیں۔ ان کے ساتھ حضور نے پچیس سال گزارے اور ان کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ خدیجہؓ چالیس سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئی تھیں اور پینسٹھ سال کی عمر میں عالم جاودانی کو سدھاریں۔)

حضرت خدیجہؓ کا انتقال سنہ نبوی میں ہوا۔ ان کی وفات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔ خدیجہؓ سے محبت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اُن کی وفات کے بعد جس کثرت اور تواتر سے حضور نے ان کا ذکر کیا ہے۔ اور کسی کا نہیں کیا۔ خدیجہؓ کی وفات والا سال آج تک تاریخ اسلام میں بجا طور پر "عام الحزن" کہلاتا ہے کیونکہ جو قلق سرورکائنات کو ان کی وفات

سے ہوا تھا وہ آخر وقت تک دور نہ ہو سکا۔ جب کبھی ان کی یاد آ جاتی تو حضور کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور بڑی رقت اور درد سے آپ ان کا ذکر فرماتے

(حضرت خدیجہؓ کی وفات کے چند سال بعد حضرت عائشہؓ آپ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان دونوں میں بعض حیرت انگیز مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور کو بھی ایسی ہی بیویوں کی ضرورت تھی جو دعوت و تبلیغ کے مختلف ادوار میں جانفشانی سے آپ کی خدمت کر سکیں۔ اور ہر طرح آپ کی معاون اور مددگار ثابت ہوں۔)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔ والد کی وفات تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکی تھی لیکن والدہ کا سایہ بھی زیادہ دیر تک سر پر نہ رہا اور وہ بچپن ہی میں آپ کو داغِ مفارقت دے گئیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص منشاء اور تصرف کے ماتحت خدیجہؓ جیسی پاکباز اور غمگسار خاتون کو آپ کے لئے چنا۔ شادی کے بعد حضرت خدیجہؓ نے جس دلسوزی سے آپ کی دلدہی کی، اس نے ان تمام مصائب اور صدمات کا مداوا کر دیا جو یتیمی کی حالت میں آپ کو اٹھانے پڑے تھے۔ نبوت کے دعوے کے ساتھ

ہی مصائب کا پہاڑ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم پر ٹوٹ پڑا۔ کسی قسم کی ایذا نہ تھی۔ جو بد نہاد مشرکین نے حضور کو نہ پہنچائی ہو اور مخالفت کا کوئی دقیقہ نہ تھا۔ جو قریش نے فروگذاشت کیا ہو۔ اس حالت میں جب کہ مکہ کا چپہ چپہ حضور کا دشمن ہو رہا تھا اور آپ پر بدترین قسم کے مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ اگر کسی نے حضور کی کامل رفاقت کا ثبوت دیا۔ تو وہ حضرت خدیجہؓ تھیں۔ انہوں نے اپنا تن، من، دھن سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے لئے قربان کر دیا۔ اور اس دلسوزی اور جانفشانی سے آپ کی خدمت کی کہ اس کے سامنے حضور کو کفار کے مظالم کا احساس تک جاتا رہا اور آپ بہ اطمینان کامل تبلیغ و اشاعت اسلام کے کام میں مصروف رہے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کا واقعہ پیش آیا اور حضور مکّہ سے مدینہ تشریف لے گئے۔ مکّی دور تبلیغ و اشاعت کا دور تھا۔ اس کام میں مدد دینے کے لئے خدیجہؓ سے بہتر رفیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو اور کوئی نہ مل سکتا تھا۔ مدنی دور تعلیم و تلقین کا عہد تھا اور اس کام میں آپ کا ہاتھ بٹانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے عائشہؓ جیسی ذہین و فطین خاتون کو چنا۔ وہ جس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے عقد میں آئیں، اس سے بھی اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اس نکاح میں اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت کام کر رہی تھی چنانچہ ذیل کی روایت اس کی تصدیق کرتی ہے:۔

شادی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضؓ سے فرمایا "مجھے دو بار تمہاری صورت خواب میں دکھائی گئی اور وہ اس طرح کہ ایک فرشتہ ریشم میں لپٹی ہوئی ایک تصویر میرے پاس لایا اور کہا "یہ آپ کی بیوی ہے"۔

میں نے کپڑا اٹھایا تو تمہاری تصویر دکھائی دی، یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ شادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے تو وہ اس کے سامان آپ پیدا کرے گا"

اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضؓ سے نکاح کرنے کا خیال تک پیدا نہ ہوا تھا۔ ایسی حالت میں دوبار حضرت عائشہ رضؓ کا خواب میں دکھایا جانا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تفہیم ہونا کہ یہی آپ کی ہونے والی بیوی ہیں، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ شادی اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت اور تصرف کے ماتحت ہوئی۔ وہ ایک ایسی ہستی کو اپنے رسول کی رفاقت کے لئے چننا چاہتا تھا جس کے ذریعے آیندہ کے لئے امت کی تعلیم و تربیت کا سامان ہو سکے اور حضرت عائشہ رضؓ نے یہ کام جس خوبی اور عمدگی سے انجام دیا، اسے دنیا جانتی ہے۔

نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کس طرح شروع ہوا؟ اس کے متعلق کتب

احادیث میں مندرجہ ذیل روایت آئی ہے:۔

"حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت مغموم اور پژمردہ رہتے تھے۔ مشہور جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم کو حضور کی یہ حالت دیکھ کر بہت رنج ہوتا تھا۔ آخر ایک دن انہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟"

حضور نے پوچھا:۔

"کس سے کروں؟"

انہوں نے جواب دیا:۔

"اگر چاہیں تو کنواری سے ہو سکتی ہے اور اگر بیوہ کا خیال ہو تو اس سے بھی ممکن ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزید استفسار پر انہوں نے کہا کنواری لڑکی تو آپ کے سب سے پیارے دوست کی لڑکی عائشہ ہے اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہیں" حضور نے انہیں دونوں جگہ سلسلہ جنبانی کرنے کا ارشاد فرمایا۔

تعمیل ارشاد میں وہ حضرت عائشہ کی والدہ "ام رومان" کے پاس پہنچیں اور انہیں عائشہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا۔ ام رومان نے کہا "میں ابوبکر سے پوچھ کر جواب دوں گی۔ چنانچہ جب حضرت ابوبکرؓ گھر میں تشریف لائے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کا ذکر کیا۔

حضرت ابوبکر کا خیال تھا کہ چونکہ ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مواخاۃ کا سلسلہ قائم ہے اس لئے آپس میں شادی بیاہ کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا حضور کا پیغام سن کر اسی خیال کے زیر اثر انہوں نے کہا "عائشہ تو ان کی بھتیجی ہیں بھتیجی سے نکاح کس طرح ہو سکتا ہے؟" جب خولہ نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر بتائی تو حضور نے فرمایا:۔

"ابوبکر سے جا کر کہہ دو کہ تم میرے دینی بھائی ہو اور یہ تعلق شادی بیاہ کے معاملات میں حارج نہیں"۔

تاہم ابھی تک کسی شخص کو پورا یقین نہ تھا کہ عائشہ ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آ جائیں گی۔ وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے ہی سے جبیر بن مطعم بن عدی سے۔ جو ہنوز حالت کفر پر قائم تھا۔ منسوب ہو چکی تھیں اور حضرت ابوبکر صدیقؓ وعدے کے خلاف ورزی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ پہلے انہوں نے جبیر

کی طرف سے معاملہ صاف کر لینا چاہا۔ وہ اس کے والدین سے ملے اور نسبت کے متعلق دریافت کیا۔ مطعم نے اپنی بیوی سے کہا:-

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

وہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی:-

"اگر ہم نے اپنے لڑکے کا نکاح تمہاری لڑکی سے کر دیا تو تم ہمارے لڑکے کو صابی تو نہیں بناؤ گے اور اپنے دین میں تو اسے شامل نہیں کرو گے؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسے تو کوئی جواب نہ دیا بلکہ مطعم سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:-

"تم کیا کہتے ہو؟"

مطعم نے اس کے سوا اور کچھ نہ کہا کہ میری بیوی نے جو کچھ کہا ہے، وہ تم نے سن ہی لیا ہے۔ اب تمہارے جواب پر ہمارے آئندہ رویہ کا انحصار ہے۔

اب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جبیر سے نسبت توڑنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام قبول کر لیا اور ہجرت سے تین سال قبل شوال سنہ نبوی میں حضرت عائشہ کے نکاح چار سو درہم حق مہر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہو گیا۔

نکاح اور رخصت کی تفصیلات کے بارے میں تو مؤرخین میں اختلاف نہیں البتہ اس امر میں ضرور اختلاف ہے کہ نکاح اور رخصت کس عمر میں ہوئی۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر نو برس کی تھی لیکن بعض کا خیال ہے کہ نو سے کئی برس زیادہ تھی۔

جس قوم میں لکھنے پڑھنے اور واقعات کا ریکارڈ رکھنے کا رواج نہ ہو اس میں اس قسم کے اختلاف بالعموم رونما ہو کے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عرب کے بہت کم اشخاص ایسے ہیں جن کے سنہ ولادت، سنہ وفات اور سنہ نکاح کے متعلق دو دو تین تین روایات مروی ہیں اور موجودہ زمانے کے مؤرخ کے لئے کوئی قطعی رائے قائم رکھنا بے حد دشوار ہے۔

ہمارے نزدیک قرین قیاس امر یہ ہے کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر بارہ سے کسی طرح کم اور پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ چنانچہ ابن سعد کی بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رض کا نکاح نو یا سات برس کی عمر میں ہوا۔ رخصت بیشتر روایات کے موجب نکاح کے پانچ سال بعد ہوئی تھی اس لحاظ سے رخصتانہ کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر بارہ سے پندرہ سال تک ہی پہنچتی ہے۔

چھ سال کی عمر میں نکاح ہونا قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ خولہؓ بنت حکیم نے
سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا ذکر جبھی کیا ہوگا جب وہ
ام اندازے کے مطابق نکاح کے قابل ہوگئی ہوں گی۔ یہ بات عقل میں آنے
الی نہیں ہے کہ وہ حضور کو ایک ایسی بچی سے نکاح کرنے کا مشورہ دیتیں،
ے چار پانچ سال بعد جا کر نکاح کے قابل ہونا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ
لی اللہ علیہ وسلم کے حزن والم کو دیکھ کر شادی کرنے کی رائے دی تھی اور
ن کا منشاء ہرگز یہ نہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چار پانچ سال بعد عائشہؓ
ے شادی کریں۔

اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے اور اس سے بھی ہماری ہی تائید ہوتی
ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے لئے سنہ نبوی
ں پیغام دیا تھا۔ اس سے پہلے وہ جبیر بن مطعم سے منسوب تھیں۔ جبیر سے
نسبت کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک تو یہ کہ یہ نسبت نکاح کی عمر کو پہنچنے
ے بعد نو یا دس برس کی عمر میں ہوئی ہو، لیکن یہ ناممکن ہے کیونکہ اس وقت
ونوں خاندانوں میں مذہبی اختلاف موجود تھا اور ایک مسلمان لڑکی کا فر سے

کسی طرح بیاہی نہ جا سکتی تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عام رواج کے مطابق یہ نسبت بچپن میں ہوئی ہو۔ اگر نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ یا سات برس کی مانی جائے تب بھی یہ ماننا پڑے گا۔ کہ جبیر کے ساتھ نسبت بھی بعثت نبوی کے بعد ہوئی تھی حالانکہ ایسا ہونا ناممکن ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اولین مسلمانوں میں سے تھے اور جبیر بن مطعم کا گھرانا اسلام کی نعمت سے محروم تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ جبیر اور حضرت عائشہؓ کی نسبت اسلام سے قبل بچپن میں ہوئی ہو۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت ان کی عمر بہر حال دس سال سے زائد بنتی ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ خود حضرت عائشہؓ اپنی عمر کم بتاتی ہیں تو جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں، اس زمانہ میں نہ تو لکھنے پڑھنے کا رواج تھا اور نہ پیدائش وغیرہ کا کوئی ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔ حضرت عائشہؓ کو لوگوں کی زبانی جو کچھ معلوم ہؤا وہ انہوں نے بیان کر دیا لیکن یہ صحیح تعیین وہ خود بھی نہیں کر سکتی تھیں چونکہ عورت کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ اسے اپنی عمر کم معلوم ہو اور حضرت عائشہؓ کو بھی نسوانی خصوصیات سے حصّہ وافر ملا ہوا

تھا۔ اس لئے انھوں نے بھی نکاح کے وقت اپنی عمر کم ہی خیال کی ہو گی حضرت عائشہؓ کو تو اپنے بچپن کے زمانے سے اتنی دلچسپی تھی کہ وہ مزے لے لے کر اس زمانے کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتی تھیں۔ اکثر احادیث میں ہمیں ان کی زبانی اس قسم کے فقرات ملتے ہیں۔

"میں اس زمانے میں نوعمر بچی تھی"۔

"میں اس وقت اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے قرآن کا بہت تھوڑا حصہ یاد تھا"

بہرحال ہماری پختہ رائے یہی ہے کہ رخصت کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر بارہ سال سے کم اور پندرہ سال سے زائد نہ تھی مستشرقین کم سن بچی سے شادی کرنے کا الزام لگا کر حضور علیہ الصلواۃ والسلام کو اپنے گندے اور ناپاک اعتراضات کا ہدف بنانے کی کوشش کرتے ہیں، ہمارے پیش کردہ نظریے کو تسلیم کر لینے کے بعد ان اعتراضات کی بنیاد ہی قائم نہیں رہتی۔

حضرت عائشہؓ کی ازدواجی زندگی کا آغاز بہت خوش اسلوبی سے ہوا اور وہ ماں باپ سے رخصت ہو کر ایک شفیق شوہر کے زیر عاطفت آ گئیں۔ ان کی ازدواجی زندگی کا کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں جو خود ان کی زبانی کتب

سیر و احادیث میں موجود نہ ہو لیکن ان واقعات کو پڑھتے ہوئے ہمیں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ملے گا جس سے مترشح ہوتا ہو کہ بالکل نئی زندگی میں قدم رکھتے وقت حضرت عائشہ رضؓ نے کسی گھبراہٹ اور بےچینی کا اظہار کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا ہی سے جس محبت اور الفت کا سلوک ان سے کیا اور جس [illegible]ت و عنایت سے پیش آئے، اس کے سامنے ماں باپ کی محبت اور لطف و عنایت بھی ہیچ نظر آنے لگی۔

بچپن کا زمانہ تھا، شوہر کے گھر آکر بھی ان کا محبوب مشغلہ یعنی گڑیوں کا کھیل بدستور جاری رہا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیاں کھیل رہی ہوتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آتے۔ سہیلیاں حضور کو دیکھ کر ادھر ادھر چھپ جاتیں لیکن حضور ایک ایک کو پکڑ کر عائشہ رضؓ کے پاس لے آتے اور فرماتے:۔

"کھیلو ڈرتی کیوں ہو؟"

بھولپن کی یہ حالت تھی کہ واقعہ افک کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت فرمانے پر ان کی لونڈی بریرہ نے بیان کیا کہ مجھے عائشہ رضؓ میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وہ کم سن ہیں، آٹا گوندھتی

ہیں اور بے خبر سو جاتی ہیں۔ بکری آتی ہے اور آٹا کھا جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے دل بہلانے کا سامان کرتے رہتے تھے۔ جو صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صرف اللہ کے رسول کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ اور حضور کی دیگر حیثیتیں ان سے پوشیدہ تھیں، انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ عید کے دن حضرت ابوبکرؓ عائشہ کے حجرے میں آئے اس وقت ان کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی بعض اشعار گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی کپڑا اوڑھے لیٹے تھے حضرت ابوبکرؓ کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا اور چیخ کر کہنے لگے :-

"رسول اللہ کے پاس یہ شیطانی کام؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا اور فرمانے لگے :-

"ابوبکرؓ جانے دو عید کا دن ہے۔ لڑکیاں اپنا دل بہلا رہی ہیں"

ایک اور مرتبہ عید کے موقع پر سوڈان کے بعض حبشیوں نے مسجد نبوی کے صحن میں نیزہ بازی کے کرتب دکھانے شروع کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے عائشہ سے پوچھا،

"حبشیوں کا کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟"

انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی۔ وہ خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے

کہتی ہیں :-

"یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے کے دروازے میں کھڑے ہو گئے اور میں حضور کی اوٹ میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھنے لگی۔ جب تھک گئی تو حضور نے کہا

"اچھا اب جاؤ"

ایک بار حضرت ابو بکرؓ حجرے کے قریب سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باآواز بلند گفتگو کرتے سنا۔ وہ غصہ کی حالت میں حجرے میں داخل ہوئے اور اس گستاخی کی سزا دینے کے لئے بیٹی کو تھپڑ مارنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیان میں کھڑے ہو کر انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ جب وہ باہر چلے گئے، تو آپ نے عائشہؓ سے فرمایا :-

"کیا یاد کرو گی۔ آج میں نے تمہیں پٹنے سے بچا لیا"

اسی طرح ایک اور موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ نے عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیز اور تند گفتگو کرتے سُنا۔ غصے میں بھرے ہوئے حجرے میں داخل ہوئے لیکن پھر واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب دوبارہ حجرے میں آئے تو

دیکھا میاں بیوی میں صلح ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگے، کیا تم دونوں مجھے صلح میں بھی اسی طرح شریک کرو گے جس طرح لڑائی میں شریک کیا تھا؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیوں نہیں؟"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے مرتبے سے خوب واقف تھیں اور انہیں اس محبت کا خوب اندازہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کے لئے تھی۔ ہر چند کہ ازواج مطہرات سے سیاسی اور دینی وجوہ کی بنا پر کئی شادیاں کی تھیں اور قرآنی احکام کی بنا پر آپ اپنی تمام بیویوں کے درمیان کامل مساوات قائم رکھتے تھے لیکن محبت اور دلی میلان ایک طبعی امر ہے، جسے مساوات کے تحت لانا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:۔

"اے اللہ! جو چیز تو نے میرے اختیار میں دی ہے اس میں مساوات کا میں پورا خیال رکھتا ہوں، لیکن جو چیز میرے اختیار سے باہر ہے اور اُسے تو نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے، اس کے بارے میں تو مجھے ملامت نہ کیجیو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو الفت اور محبت تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف اس کا تحقیقی اندازہ تھا بلکہ وہ اکثر اس کے لئے حضور کے سامنے شکر اور امتنان کے جذبات کا اظہار بھی کرتی رہتی تھیں۔ ایک

مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے گیارہ سہیلیوں کا قصہ بیان کیا جنہوں نے ایک جگہ جمع ہو کر اپنے خاوندوں کا تذکرہ کرنا شروع کیا اور لگی لپٹی نہ رکھی اگر کسی کے خاوند میں کچھ خوبیاں پائی جاتی تھیں تو اس نے ان کا اظہار کر دیا اور اگر کسی کے خاوند میں کچھ برائیاں راہ پا گئیں تھیں تو اس نے بلا جھجک انہیں بیان کر دیا۔ گیارھویں عورت کا نام ام زرع تھا جسے اپنے خاوند سے بے حد محبت تھی اور دنیا کی تمام خوبیاں اسے اپنے خاوند میں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ اس نے ان کا تذکرہ بہت الفت آمیز لہجے میں اپنی سہیلیوں کے سامنے کیا۔ یہ قصہ سن کر حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

"اللہ کی قسم! آپ کا سلوک مجھ سے ایسا ہی ہے جیسا ام زرع کا ابوزرع سے تھا، بلکہ اس سے بھی بہت بہتر"

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ دیگر ازواج مطہرات پر اپنے تفوق اور برتری کا حال بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا:۔

مجھے دس باتوں کے باعث دیگر ازواج پر فضیلت حاصل ہے۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا اور کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

(۲) میرے سوا حضور کی کوئی بیوی نہ تھی جس کے ماں باپ دونوں کو ہجرت کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے میری برئیت آسمان سے نازل فرمائی۔

(۴) جبریل میری تصویر ریشم کے پردے میں لے کر حضور کے پاس آئے۔

(۵) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کر لیا کرتے تھے۔

(۶) نماز تہجد کے وقت میں حضور کے سامنے لیٹی ہوتی تھی لیکن اور کسی بیوی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

(۷) میرے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں حضور پر وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔

(۸) وفات کے وقت حضور میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

(۹) حضور نے عین اس روز وفات پائی جب میری باری کا دن تھا۔

(۱۰) حضور میرے حجرے میں دفن کئے گئے۔

حضور کی محبت اور الفت کو دیکھ کر صحابہ بھی اپنے تحفے اسی روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف فرما ہوتے تھے۔

اس سے بعض اوقات ازدواج مطہرات کو رنجش بھی پیدا ہوجاتی تھی۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس امر کی شکایت کرنے کے لئے بھیجا انہوں نے ازواج کی شکایات بیان کیں لیکن حضور خاموش رہے۔ دوبارہ پھر بھیجا تب بھی حضور نے کوئی جواب نہ دیا جب تیسری بار وہ اس سلسلے میں حضور کے پاس آئیں تو آپ نے فرمایا:۔

"مجھے عائشہ کے بارے میں ایذا نہ دو کیونکہ عائشہ کے لحاف کے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی"

حضرت فاطمہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبت تھی ایک مرتبہ اس خیال سے کہ حضور ان کی بات کو کبھی رد نہیں فرماتے، ازواج مطہرات نے انہیں بھیجا۔ وہ آئیں اور کہنے لگیں:۔

ابا جان! آپ کی ازواج نے مجھے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ آپ ابوبکر کی بیٹی کے بارے میں مساوات سے کام لیں"۔

حضور نے یہ سن کر فرمایا:۔

"بیٹی! جسے میں پسند کرتا ہوں تم اسے پسند نہیں کرتیں؟"

انہوں نے جواب دیا:۔

"کیوں نہیں؟"

حضور نے فرمایا:۔

"میں عائشہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی ان سے محبت کرو۔"

ازواج مطہرات یہ تو برداشت کر سکتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ سے اپنی محبت کا اظہار دوسری بیویوں سے زیادہ کریں، لیکن عائشہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت والفت کا اظہار دوسری بیویوں سے زیادہ کرنا انہیں گوارا نہ تھا۔ ہر بیوی دوسری بیوی سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی الفت ومحبت اور دلی تعلق کا اظہار کرتی تھی۔ اور ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ اسے حضور کا زیادہ سے زیادہ قرب نصیب ہو یہی وجہ تھی کہ اگر کسی بیوی کو کسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص تعلق ہوتا تھا تو دوسری بیویاں اس پر رشک کیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تم میں سے جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے؟ وہ مجھے آخرت میں سب سے پہلے ملے گی۔"

یہ سن کر سب بیویوں نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے اور ہر ایک کی یہ

خواہش تھی کہ اس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں تاکہ آخرت میں اسے سب سے پہلے حضور سے ملاقات کا شرف حاصل ہو اس وقت تو وہ نہ سمجھیں کہ لمبے ہاتھوں سے کیا مراد ہے، لیکن حضرت زینبؓ بنت جحش کی وفات پر انہیں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد صدقہ وخیرات اور اعمال صالحہ ہیں۔ اس کے بعد سب بیویاں زینبؓ پر رشک کیا کرتی تھیں کہ انہیں اپنے نیک اعمال اور صدقہ وخیرات کے سبب سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بایں ہمہ حضرت عائشہؓ کی محبت کی شان بالکل نرالی تھی۔ دوسری ازواج یقیناً دل وجان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا تھیں لیکن جس حد تک حضرت عائشہؓ نے اپنے آپ کو حضور سے وابستہ کر لیا تھا، اس کی نظیر دوسری بیویوں میں نہیں پائی جاتی تھی اور جو روحانی اور جسمانی تعلق حضرت عائشہؓ کو حضور کے ساتھ تھا، وہ ان کی نسبت دوسری بیویوں میں بہت کم پایا جاتا تھا۔ وہ حضور کی حرکات وسکنات کا بغور جائزہ لیتی رہتی تھیں اور حضور کی باتوں کو نہ صرف شوق سے سنتی تھیں بلکہ ان کی جزئیات تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ چنانچہ اس امر کا اندازہ اس حدیث سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے اُن سے پوچھا۔

"حضور کس طرح کلام فرمایا کرتے تھے"۔

انہوں نے جواب دیا:۔

"حضور تم لوگوں کی طرح باتیں نہ کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس طرح کلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر کوئی شخص چاہتا تو بآسانی حضور کے کہے ہوئے الفاظ گن سکتا تھا"۔

یہ واقعہ اوپر گذر ہی چکا ہے کہ سخت گرمی کا موسم تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا حضور کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے عروہ بن زبیر کے یہ اشعار پڑھے۔

ولو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ

لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لواحی زلیخا لو رأین جبینہ

لآثرن بالقطع القلوب علی الایدی

(اگر اہل مصر آپ کے حسن کا شہرہ سن لیتے تو یوسف کی خریداری کے لئے کبھی اپنی پونجی خرچ نہ کرتے اور اگر زلیخا کی سہیلیاں آپ کی منور پیشانی کا جلوہ دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے دل ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو ترجیح دیتیں۔)

ایک خاوند کی دو یا دو سے زائد بیویوں میں منافست کا جو جذبہ طبعی طور پر موجود ہوتا ہے وہ حضرت عائشہ میں بھی تھا بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے اندھیرے میں گھر سے باہر نکل جایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کہیں آپ کسی دوسری بیوی کے گھر تو نہیں چلے گئے، آپ کے پیچھے پیچھے جایا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے کچھ دیر بعد جب حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھلی اور انہوں نے حضور کو بستر پر نہ پایا تو وہ آپ کی تلاش میں باہر نکلیں، اتفاقاً وہ قبرستان کی طرف چلی گئیں، وہاں کیا دیکھتی ہیں کہ حضور شہداء کے مزاروں پر کھڑے اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ واپس اپنے حجرے میں آگئیں اور اپنے دل میں کہا۔

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ اپنے رب کی تلاش میں ہیں اور میں دنیا کی تلاش میں ہوں"۔

واپسی پر ان کا سانس پھول گیا تھا جب حضور تشریف لائے تو دریافت فرمایا:۔

"عائشہ ہانپ کیوں رہی ہو؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ حجرے میں تشریف لائے۔ لیکن آدھی رات کو اٹھ کر باہر چلے گئے۔ میرے جذبۂ رقابت نے انگڑائی لی اور میں اس خیال سے کہ کہیں آپ کسی بیوی کے گھر تو نہیں جا رہے، آپ کے پیچھے پیچھے گئی لیکن میں نے کسی بیوی کے گھر کا رُخ کرنے کی بجائے آپ کو بقیع میں دعائیں مانگتے اور آہ و زاری کرتے دیکھا۔"

ایسا ہی واقعہ ایک مرتبہ اور پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے حضرت عائشہؓ ان کے پیچھے پیچھے نکلیں، لیکن جب حضور کو جنگل میں عبادت کرتے دیکھا تو شرمندہ ہو کر واپس آ گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:۔

"عائشہ! تم میں بھی غیرت اور رقابت کا مادہ ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:۔

"یارسول اللہ! کیوں نہیں؟ کیا مجھ جیسی عورت آپ جیسے خاوند کے معاملے میں بھی غیرت کا اظہار نہ کرے گی؟"

حضرت عائشہؓ نے اپنے بناؤ سنگھار کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ اکثر

زرد اور سُرخ رنگ کے کپڑے پہنے رہتی تھیں اور خوشبو وغیرہ لگا کر انہیں معطر رکھتی تھیں یہ سب محض اس لئے تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ منعطف کر سکیں

دوسری بیویاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور خوشنودی کے حصول کے لئے بجا طور پر کوشاں رہتی تھیں۔ لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس تمام جد وجہد کے باوجود حضرت عائشہؓ کو جو مقام حاصل تھا وہ اور کسی بیوی کو حاصل نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات کے بارے میں ازواج مطہرات سے جو احادیث مروی ہیں، ان کا تقابل کرنے کے بعد حضور سے ذہنی وابستگی اور قرب کا جو احساس حضرت عائشہؓ کی احادیث سے ہوتا ہے وہ دوسری بیویوں کی احادیث سے نہیں ہوتا۔ یہاں سوال احادیث کی قلت اور کثرت کا نہیں ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دوسری بیویوں کی نسبت حضرت عائشہؓ سے یقیناً بہت زیادہ احادیث مروی ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں زیادہ وقت گزارنے کا موقعہ ملتا تھا۔ البتہ جو امر حضرت عائشہؓ کو دوسری ازواج سے ممتاز کرتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی احادیث سے حضور کا سراپا اتنی صفائی سے

ہمارے سامنے آجاتا ہے اور حضور کے عادات و اخلاق اور معمولات کا ایسا بیّن نقشہ ہمارے سامنے کھچ جاتا ہے۔ کہ اس سے بہتر ممکن نہیں ان احادیث کے لفظ لفظ سے اس گہری عقیدت، موانست اور قلبی تعلق کا پتا ملتا ہے جو حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور ایک مشفق خاوند اور رسول کے تھا حضرت عائشہؓ حضور کے ارشادات اور اعمال کو سطحی نظر سے نہیں دیکھتی تھیں بلکہ ان کی باریک بین اور دُور رس نگاہ ایک ایک لفظ کے حقیقی مفہوم تک پہنچتی تھی حضور کی باتوں سے جو مطالب حضرت عائشہ نکال لیتی تھیں وہ ہر کہ ومہ کے بس کی بات نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا یہ بلند مقام حضرت عائشہؓ کو ایک دن میں حاصل نہیں ہوگیا۔ بلکہ اس منزل تک پہنچنے میں انہیں ایک لمبا عرصہ لگا۔ شادی کے وقت ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس وقت ان میں نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سمجھنے کی کامل اہلیت موجود تھی اور نہ قرآن کریم کے حقائق اور غوامض معلوم کرنے کا مادہ۔ چنانچہ واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود کہتی ہیں؛۔

اس واقعہ کے وقت میں کمسن بچی تھی اور مجھے زیادہ قرآن بھی نہ آتا تھا۔"

یہی نہیں بلکہ ان کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ انہیں پیغمبروں کے نام بھی ٹھیک ٹھیک یاد نہ تھے، چنانچہ اسی واقعہ کے ضمن میں وہ خود بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اس بہتان کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو میں نے اپنے ذہن میں حضرت یعقوبؑ کا نام لانا چاہا لیکن مجھے ان کا نام یاد نہ آیا۔ آخر میں نے کہا "میں بھی وہی کہتی ہوں جو حضرت یوسف کے والد نے کہا تھا" فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون (صبر کرنا ہی بہتر ہے اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی کی مدد مانگے گا)

تاہم بے خبری کی یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور تربیت نے آہستہ آہستہ رنگ لانا شروع کیا اور بالآخر آپ اس بوجھ کو اٹھانے کے پورے طور پر قابل ہو گئیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے ام المومنین ہونے کی حیثیت سے آپ پر ڈالا تھا۔

بارہا ایسا ہوتا عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کرنے یا دینی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے حاضر ہوتیں۔ ان مواقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہوتی تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات اور وعظ و نصائح کو ذہن نشین کر لیتیں، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی فطری شرم و حیا کی وجہ سے عورتوں کے بعض سوالات کا جواب

اپنی زبان سے نہ دینا چاہتے اس وقت آپ حضرت عائشہؓ کو ان مسائل کا جواب دینے اور ان کی وضاحت کرنے کا ارشاد فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک انصاری عورت اسماء بنت شکل نے حضور سے دریافت کیا کہ عورت ناپاکی کے ایام کے بعد اپنے آپ کو کیسے پاک کرے آپ نے جواب دیا:۔

"جس وقت خون بند ہو جائے تو تین بار اپنے آپ کو پاک کرے"۔

اس نے دوبارہ کہا:۔

"حضور! ابھی تو دریافت کر رہی ہوں کہ کس طرح پاک کرے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"سبحان اللہ! ناپاکی حالت سے اپنے آپ کو پاک کرے"۔

یہ کہکر شرم کے مارے اپنا منہ پھیر لیا۔ حضرت عائشہؓ نے جب یہ ماجرا دیکھا تو اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور اسے سنت کی کامل وضاحت سے آگاہ کر کے رخصت کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے جتنا فائدہ حضرت عائشہؓ نے اٹھایا، شاید ہی کسی اور نے اٹھایا ہو۔ دینی، فقہی، علمی اور معاشرتی مسائل

سے حیرت انگیز واقفیت کے باعث وہ مرجع خواص و عوام تھیں جس شخص کو بھی کسی مسئلے کے سمجھنے میں وقت پیش آتی وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آتا اور ہر طرح اپنی تسلی کر لیتا۔ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے انہیں لکھا کہ آپ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔ انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا:۔

"سلام علیک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ حدیث سنی ہے کہ جس شخص نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ لوگوں کی ناراضی کے باوجود خود اس کا کفیل ہوگا۔ لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضامندی حاصل کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ اُسے لوگوں کے سپرد کر دے گا۔ کہ وہ اس سے جو برتاؤ چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ کو اس سے کچھ سروکار نہ ہوگا"

واقعی حضرت معاویہؓ جیسے امراء کے لئے اس سے بہتر نصیحت اور کیا ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

ام المومنین ہونے کی حیثیت سے حضرت عائشہؓ کے ذمہ تبلیغ اور تعلیم کا جو فریضہ عاید کیا گیا تھا، انہوں نے اُسے پوری طرح ادا کیا۔ احکام دین ہوں یا مسائل تطہیر احکام صوم و صلوٰۃ ہوں یا معاشرتی مسائل

غرضیکہ جس کسی امر کے متعلق حضرت عائشہؓ سے استفسار کیا جاتا تھا وہ اس
ن وخوبی کے ساتھ اس کا جواب دیتی تھیں کہ مستفسر با طمینان تمام واپس
جاتا تھا۔ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں کہ عورتیں انہیں زبان پہ لاتے
ہوئے ہچکچاتی ہیں، لیکن ام المومنین حضرت عائشہؓ کو امت کو تعلیم و تربیت
کا کام سونپا گیا تھا۔ اگر وہ اس اہم فریضے سے پہلو تہی برتتیں اور اپنے
اپنی فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں کوتاہی سے کام لیتیں تو اس امانت میں
خلل اندازی کی مرتکب ہوتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی
تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان سے جس مسئلے کے متعلق بھی دریافت کیا جاتا، وہ بلا تامل
اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر دیتیں۔ اور بے جا شرم سے کبھی کام
لیتیں۔ جس مسئلے کے متعلق انہیں معلوم نہ ہوتا، بے دھڑک رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے دریافت کر لیتیں۔

حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں کل نو سال
گزارے، یہ مختصر زمانہ ان کے لئے انتہائی خوش بختی اور مسرت و شادمانی
کا حامل تھا اور بہت کم خوش قسمت عورتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں شادمانی اور

خوش نصیبی کا ایسا دور نصیب ہوتا ہے تو سال کے اس ازدواجی دور میں صرف دو ناگوار واقعات پیش آئے ایک تو واقعہ افک جس کا ذکر ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ اور دوسرا نان و نفقہ میں زیادتی کے مطالبے کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی تمام بیویوں سے کچھ عرصے کے لئے قطع تعلق کرنے کا واقعہ۔

واقعۂ افک میں تو میاں بیوی میں سے کسی کا ہاتھ نہ تھا بلکہ یہ کلیتہً منافقین کا برپا کیا ہوا تھا۔ اس واقعہ کے دوران میں بھی حضرت عائشہؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ نیک اور بہتر سلوک کے مشاہدہ کا ایک نیا موقعہ ملا۔ رہ گیا بیویوں سے ناراضی کا واقعہ تو کونسا گھر ایسا ہے جو اس قسم کے واقعات سے خالی ہو۔ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر رنجش پیدا ہو جانا معمولی بات ہے اور دنیا میں اس قسم کے ہزاروں واقعات روزانہ ہوتے رہتے ہیں۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو یہ امر ذہن نشین کرانا چاہتے تھے۔ کہ انہیں اسی طرح سادہ زندگی بسر کرنی چاہیئے جیسی حضور خود بسر کرتے ہیں، کیونکہ ان کی حیثیت عام عورتوں جیسی نہیں ہے بلکہ وہ ہر بات میں دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ

ہیں۔ اگر نبی کی بیویاں لوگوں کے سامنے قناعت اور نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا نمونہ پیش نہ کریں گی تو یقیناً دوسرے مسلمانوں پر اس کا اچھا اثر نہ پڑے گا کچھ عرصے کی ناراضی اور قطع تعلق کے بعد حضور نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مال و دولت لے کر رخصت ہو جائیں اور چاہیں تو مال و دولت کی خواہش چھوڑ کر اللہ کے رسول کی رفاقت اختیار کریں۔ چنانچہ ہر ایک بیوی نے بلا استثناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو ترجیح دی اور مال و دولت کا خیال چھوڑ کر تنگی ترشی سے زندگی بسر کرنا منظور کر لیا۔

زوجیت کی تمام سعادتیں میسر ہونے کے باوجود حضرت عائشہ رض ایک ایسی نعمت سے محروم تھیں جس کے بغیر عورت کی زندگی بہت بے لطف گزرتی ہے ہماری مراد اولاد سے ہے حضرت عائشہ رض کو بھی اولاد سے محرومی کا بہت احساس تھا خصوصاً اس حالت میں کہ انہیں معلوم تھا حضرت خدیجہ رض سے حضور کی بے پناہ محبت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاد سے نوازا۔

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بھی انہوں نے اپنے درد و الم کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔

"یا رسول اللہ! میری تمام سوتوں کی کنیتیں ہیں مگر میری کوئی کنیت نہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"تم اپنے بیٹے عبداللہ کے نام پر اپنی کنیت رکھ لو"۔

حضور کا اشارہ عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف تھا۔ جو حضرت عائشہ کی بہن اسماء کے بیٹے تھے اور عائشہ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہؓ بن زبیر کے نام پر ہی کنیت ام عبداللہ رکھ لی۔

تمام روایات اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی البتہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ کا ایک حمل ساقط ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کا نام عبداللہ رکھا، اور اسی عبداللہ کے نام پہ حضرت عائشہ کی کنیت ام عبداللہ قرار پائی۔

اولاد سے محرومی کا احساس عورت کے لئے سخت اذیت بخش ہوتا ہے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کو بھی اس نعمت سے محرومی کا احساس تھا مرد کو بھی فطرۃً اولاد کی خواہش ہوتی ہے اور وہ اسی بیوی کو پسند کرتا ہے جس کے ذریعے اس کے ہاں اولاد پیدا ہو۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی حضرت عائشہؓ کو یہ احساس نہ ہونے دیا کہ وہ بے اولاد ہیں اور نہ ہی

اس بنا پر آپ نے ان سے تلطف میں کچھ کمی کی۔ اس کے برعکس ہمیشہ محبت، شفقت اور خلوص سے پیش آتے رہے اور محبت و شفقت کا یہ بے پایاں سلوک ہی حضرت عائشہ کے رنج و الم میں کمی اور تسکین کا باعث ہوتا تھا۔

ہم نے اپنی کتاب "عبقریۃ محمد" میں بھی متذکرہ بالا مسئلہ کے متعلق بحث کی تھی، اس کا ایک حصہ ہم یہاں بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم نے لکھا تھا:-

"اس سوال کا حتمی جواب دینا تو مشکل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیشتر ازواج بے اولاد کیوں رہیں: تاہم بعض حالات اس قسم کے ضرور پیدا ہو گئے تھے جن کی بنا پر خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید یہی اسباب اولاد کی محرومی کا باعث نہ بنے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی صرف حضرت عائشہؓ تھیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بچپن کی عمر میں شادی کی اور آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر بیس برس کے لگ بھگ تھی، بسا اوقات اتنی عمر میں عورت کے ہاں اولاد نہیں ہوتی۔ ولادت کا زمانہ اس عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ جہاں تک ان بیویوں کا تعلق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دوسرے

خاوندوں کے عقد میں آچکی تھیں، تو حضرت ام حبیبہؓ اور ہند بنت امیہ مخزومیہ کے سوا باقی کسی بیوی سے اس کے پہلے زمانۂ زوجیت میں بھی اولاد نہیں ہوئی۔ ام حبیبہ اور ہند جس وقت حضور کے عقد میں آئیں تو اتنی بوڑھی ہو چکی تھیں کہ اولاد پیدا کرنے کے ناقابل تھیں۔ ان کے علاوہ باقی کسی بیوی کی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اولاد ہوئی اور نہ اپنے پہلے خاوند سے۔

اس کا سبب، جہاں تک ہماری سمجھ میں آسکتا ہے، یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی خاطر اپنی ازواج سے نکاح نہیں کئے۔ حضور کے نکاح بالعموم دو اغراض کے تحت ہوتے تھے۔ بعض عورتیں اپنے خاوندوں کی وفات کے بعد بالکل بے سہارا ہو جاتی تھیں۔ حضور ان کی بےکسی اور بےبسی کا مداوا کرنے کے لئے ان سے نکاح کر لیتے تھے۔ بعض ازواج سے نکاح کرنے میں یہ غرض پنہاں تھی کہ حضور ان کے قبیلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ان سے تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ حضور کی بیشتر ازواج آپ کے عقد میں آنے سے قبل مصائب اور خطرات کے طوفانوں میں سے گزر چکی تھیں۔ بعض ازواج کو ایک لمبا زمانہ ہجرت کا گزارنا پڑا تھا۔ اور اس دوران میں ہر قسم کی تکالیف اور مصائب انہیں واسطہ پڑ چکا تھا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے بہرہ ور ہونے کے بعد بھی انہیں عیش و عشرت کی زندگی میسر نہ آئی، ان مندرجہ بالا صبر آزما حالات کی موجودگی میں اگر کوئی عورت اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو جائے تو یہ امر باعث تعجب نہیں۔"

"عبقریۃ محمد" میں ہم نے ازواج النبی کے بارے میں مجموعی تبصرہ کیا تھا۔ چونکہ موجودہ کتاب ہم نے خاص حضرت عائشہؓ کے حالات کے بارے میں تالیف کی ہے اس لئے اس ذیل میں مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ بعض ایسے امور پر بھی روشنی ڈالنی مطلوب ہے جن کا تعلق خاص حضرت عائشہؓ سے ہے۔

حضرت عائشہؓ کے اولاد نہ ہونے کی پہلی وجہ ——— جیسے ہم "عبقریۃ محمد" میں بھی بیان کر چکے ہیں ——— یہ معلوم ہوتی ہے کہ بیس برس کی عمر تک بالعموم عورتیں صاحب اولاد نہیں ہوتیں۔ اور حضرت عائشہؓ کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بیس برس کے لگ بھگ ہی تھی۔

اولاد نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا بچپن بیماری میں گزرا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس برس کی عمر میں انہیں بخار آیا جس سے ان کے تمام بال جھڑ گئے۔ بعد میں بھی ان کی صحت ٹھیک نہیں رہی اور وہ اکثر بیمار ہو جایا کرتی تھیں، چنانچہ واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے

وہ کہتی ہیں:-

"(غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر) میں بیمار پڑ گئی اور برابر ایک مہینے تک بیمار رہی۔ دریں اثناء لوگوں میں اس بہتان کا چرچا ہوتا رہا جو مجھ پر لگایا گیا تھا۔ لیکن مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا............ بیماری کے ایام میں مجھے یہ بات محسوس ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے کی طرح تلطف، مہربانی اور شفقت سے پیش نہیں آتے۔ میں بہت حیران تھی، مگر کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی، .... بالآخر جب مجھے اپنے اوپر بہتان طرازی کا پتا چلا تو میرے مرض میں زیادتی ہو گئی"۔

واقعۂ افک کی روایت کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ کو اچانک کوئی رنج دہ خبر ملتی تھی تو انہیں بخار چڑھ آتا تھا۔

میں نے اس امر کی چھان بین کرنے کے لئے ڈاکٹروں کی طرف بھی رجوع کیا انہوں نے بتایا کہ وہ بخار جس سے بال جھڑ جائیں اور بعد میں بھی متواتر اس کے حملے ہوتے رہیں، بالعموم ملیریا یا ٹائیفائڈ ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے بارے میں ملیریا قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہجرت کے بعد یہی مرض مہاجرین میں پھیلا تھا چنانچہ خود حضرت عائشہؓ اس بارے میں ایک روایت بیان کرتی ہیں۔ جس میں

وہ کہتی ہیں:-

"جس زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے وہاں کی آب وہوا بے حد خراب اور گندی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر مہاجرین بیمار پڑ گئے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کی بدولت وباؤں کا خاتمہ ہوا۔ اور مدینہ کی آب وہوا گندا اور بیماریوں سے صاف ہو گئی۔ اسی دوران میرے والد ابوبکرؓ، بلالؓ اور عامرؓ بن فہیرہ بھی بیمار ہو گئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بیمار پرسی کرنے کی اجازت مانگی۔ پردہ کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔ حضور نے مجھے اجازت دے دی چنانچہ میں ان بیماروں کی عیادت کے لئے گئی جو اتفاق سے ایک ہی گھر میں تھے سب سے پہلے میں اپنے والد کے پاس پہنچی اور کہا۔

"ابا جان آپ کو کیا حال ہے؟"

اس وقت انہیں سخت بخار چڑھا ہوا تھا۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے یہ شعر پڑھا:-

کل امرئ مصبّح فی اھلہ

والموت ادنیٰ من شراک نعلہ

(ہر آدمی اپنے اہل و عیال کے درمیان صبح کرنے والا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہے)

میں نے اپنے دل میں کہا" والد کو کچھ پتہ نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں"۔
اس کے بعد میں عامر کے پاس گئی اور ان کی مزاج پرسی کی۔ وہ کہنے لگے

لقد وجدت الموت قبل ذوقه

ان الجبان حتفه من فوقه

کل امرئ مجاھد بطوقه

کالثور یحمی انفه بروقه

(میں نے موت کا مزا چکھنے سے پہلے ہی اُسے پا لیا ہے بزدل کی موت اوپر سے آتی ہے۔ ہر ایک آدمی اپنی طاقت کے موافق جدوجہد کرتا ہے۔ جس طرح بیل اپنے سینگوں کے ذریعے اپنی حفاظت کرتا ہے)

میں نے کہا "عامر بھی اپنے ہوش میں نہیں ہیں"۔
بلال کو جس وقت زور کا بخار چڑھتا تو یہ اشعار پڑھتے:۔

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلة

بوادو حولی اذخر و جلیل

وھل اردن یوماً میاہ مجنۃ

وھل یبدون لی شامۃ وطفیل

(کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب میں وادی مکہ میں رات گزاروں گا اور میرے ارد گرد اذخر اور جلیل کی خوشبو دار گھاس ہو گی۔ اور کاش کوئی دن ایسا بھی میسر ہو گا۔ جب بھی مجنہ کے چشمے سے پانی پیوں گا اور شامہ اور طفیل کی پہاڑیاں میری نظروں کے سامنے ہوں گی)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں:۔

"میں نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب حال بیان کیا اور کہا کہ بخار کی وجہ سے کسی کو اپنا ہوش نہیں ہے اور سب بیہوشی میں باتیں کر رہے ہیں۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اے اللہ! ہمارے دلوں میں مکہ کی طرح مدینہ کی محبت بھی ڈال دے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مدینہ کی آب و ہوا کو درست کر دے، اس کے مُدّ اور صاع میں برکت ڈال دے اور اس میں پیدا ہونے والے بخار کو جُحفہ[1] میں منتقل کر دے"۔

---

[1] جحفہ مدینے سے کچھ فاصلے پر مکہ کی جانب ایک بستی ہے۔

اس وبا کا اثر حضرت عائشہؓ پر بھی ہوا اور وہ بھی ملیریا میں مبتلا ہوگئیں بعد میں بھی اس کا اثر بالکل زائل نہ ہو سکا اور بیماری کے حملے بار بار ہوتے رہے میں نے بعض مشہور ڈاکٹروں سے اس سلسلے میں گفت وشنید کی تو انہوں نے بتایا کہ ملیریا کی وجہ سے حمل میں رکاوٹ پیدا ہونا ضروری نہیں۔ ہاں اگر اس بیماری کے متواتر حملوں کی وجہ سے جسم انتہائی لاغر اور کمزور ہو جائے، تب رکاوٹ پڑنے اور حمل ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

میں نے ان سے یہ بھی دریافت کیا کہ بیماری کے بار بار کے حملوں کے علاوہ گھر میں مفلسی کا دور دورہ ہو اور بہت تنگی سے گزر اوقات ہوتی ہو، تب بھی حمل میں رکاوٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے؟ ان سوالات سے میرا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی متواتر تین دن تک گیہوں یا جو کی روٹی پیٹ بھر کر کھانی نصیب نہ ہوتی تھی۔ اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی یہ حالت نہ تھی بلکہ اس نیم فاقہ کشی میں آپ کے ساتھ آپ کے اہل وعیال بھی شریک تھے۔

ڈاکٹروں کا جواب یہی تھا کہ پے در پے بخار کے حملوں اور غذا کی قلت کے سبب سے حمل میں رکاوٹ پیدا ہو جانا بہت ممکن ہے۔ مزید برآں اگر حضرت

عائشہؓ کے اسقاط حمل کو بھی صحیح مان لیا جائے تو یہ ایک مزید دلیل ہو گی۔ بخار کے اثر کے باعث حمل میں رکاوٹ پیدا ہونے اور حمل ضائع ہو جانے کی۔

بہرحال اولاد پیدا نہ ہونے کی کوئی بھی وجہ ہو، اس میں شک نہیں کہ اس کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی بیویوں کے درمیان مودّت اور الفت کے رشتے میں مطلق کمی نہ آئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ ان سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آتے رہے بعض دفعہ حضرت عائشہؓ نسوانی ناز و ادا کا اظہار کرتے ہوئے آپ سے پوچھا کرتی تھیں :۔

"یا رسول اللہ! ہمارے درمیان مہر و وفا کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کا کیا حال ہے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں فرماتے :۔

"اسی طرح برقرار ہے۔ مطلق کمی نہیں آئی"۔

ہر عورت کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شوہر صرف اسی کے ساتھ محبت اور الفت سے پیش آئے اور دوسری سب بیویوں کی نسبت اس کے ساتھ گہرا تعلق ہو۔ حضرت عائشہ اور دوسری بیویوں میں بھی یہ قدرتی جذبہ بہرحال

پایا جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے حصول میں ہر بیوی دوسری بیویوں سے سبقت لے جانے کی کوشش میں لگی رہتی تھی، جس سے بعض اوقات باہم شکر رنجی بھی پیدا ہو جاتی تھی، بایں ہمہ ان کے دل سے یہ خیال کبھی محو نہ ہوتا تھا کہ وہ نبی کی بیویاں ہیں اور ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا احترام کریں، حضور کی رضا کو ہر امر پر مقدم رکھیں اور کوئی موقع ایسا نہ آنے دیں کہ حضور ان کی کسی لغزش کی وجہ سے ان سے ناراض ہوں۔ اگر کبھی کوئی ایسا موقعہ پیش آ بھی جاتا تھا تو وہ اپنی غلطی سے آگاہ ہونے پر فوراً اس سے رجوع کر لیتی تھیں اور آئندہ کے لئے کبھی حضور کو شکایت کا موقعہ نہ دیتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:۔

"یا رسول اللہ! آپ ہر وقت خدیجہؓ کا ذکر کیوں کرتے رہتے ہیں وہ تو ایک بوڑھی عورت تھی۔ اب تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہتر بیویاں عطا فرما دی ہیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر اظہار ناراضی فرمایا۔ حضرت عائشہؓ بہت نادم ہوئیں اور آئندہ پھر کبھی حضرت خدیجہؓ کے متعلق کوئی بات زبان سے

نہ نکالی۔ اسی طرح ایک مرتبہ حضرت صفیہؓ کے متعلق کہنے لگیں:۔

"یا رسول اللہ! صفیہ تو پست قامت ہیں"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

"عائشہؓ! تم نے ایسی بات مُنہ سے نکالی ہے جسے اگر سمندر میں بھی ملانا چاہو تو ملا سکتی ہو"۔

چنانچہ بعد میں حضرت عائشہؓ نے صفیہؓ کے متعلق اس قسم کی بات پر کبھی نہیں کی۔

تمام بیویوں میں حضرت عائشہؓ کا سب سے زیادہ مقابلہ کرنے والی زینبؓ بنت جحش تھیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ کشیدگی جو عام طور پر سوتوں کے درمیان ہوتی ہے، ان دونوں کے درمیان بالکل مفقود تھی۔ نہ ہی حضرت عائشہؓ نے اور نہ حضرت زینبؓ نے کبھی کوئی ایسا لفظ منہ سے نکالا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ وہ ایک دوسرے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گرانا چاہتی ہیں۔ چنانچہ واقعہ افک کے سلسلہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کی رائے دریافت فرمائی۔ تو انہوں نے کہا:۔

"خدا کی پناہ! میں اپنی سماعت اور بصارت کو عائشہ کی برائی سے بچاتی ہوں
میں نے ان میں سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں پایا"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی سودہ رض جب پیرانہ سالی کو پہنچ گئیں تو انہوں نے اس خیال سے کہ کہیں ان کے بڑھاپے کے باعث حضور انہیں چھوڑ نہ دیں (گو ان کا یہ خیال تھا) اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ رض کو دے دی۔ حضرت عائشہ رض پر اس کا بہت اثر ہوا اور وہ ہمیشہ حضرت سودہ رض کی شکر گزار رہیں۔

ان واقعات کو پڑھ کر کوئی شخص یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ گو فطری طور پر کبھی کبھی ازواج مطہرات میں شکر رنجی پیدا ہو جاتی تھی لیکن ان کا آئینہ دل بالکل صاف تھا اور وہ ایک دوسرے کی دلی خیر خواہ تھیں، فطرت کو کوئی شخص بدل نہیں سکتا۔ اگر تو سگی بہنیں ایک جگہ رہتی ہوں تو ان میں بھی اکثر کھٹ پٹ ہو ہی جاتی ہے۔ یہاں تو معاملہ سوتوں کا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر تھا کہ یہ معاملہ صرف باہمی شکر رنجیوں تک محدود رہا۔ کینہ پروری، حسد اور انتقام سے ازواج مطہرات کا دامن بالکل پاک تھا اور حدِ اعتدال سے انہوں نے کبھی تجاوز نہ کیا۔

سوتوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کے سلسلہ میں ایک اور اہم امر کا تذکرہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے باہمی تعلقات کی نوعیت کا مسئلہ۔

اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب شخصیت آپ کی بیٹی فاطمہؓ کی تھی، تو غلط نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ خود بیان کرتی ہیں کہ کسی شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا۔

"یا رسول اللہ! آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟

حضور نے فرمایا:۔ "فاطمہؓ"

اس شخص نے دوبارہ دریافت کیا کہ مردوں میں سب سے پیارا کون ہے؟

آپ نے جواب دیا "فاطمہؓ کے شوہر"

حضرت فاطمہؓ کے بچوں حسنؓ اور حسینؓ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبت تھی۔ آپ اکثر ان سے کھیلتے، پیار کرتے، چمکارتے اور ان کے دل بہلانے کا سامان کرتے رہتے تھے۔

اوّل تو فاطمہؓ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں، جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت اور ان کا بار بار ذکر کرنے کے باعث حضرت عائشہؓ

اپنے دل میں ایک خلش محسوس کرتی تھیں اور اس کا اظہار ایک مرتبہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کر بھی دیا تھا۔ دوسرے حضرت عائشہؓ کی گود اولاد سے خالی تھی۔ جب وہ خدیجہؓ کی لخت جگر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت کا نظارہ کرتیں تو انہیں اولاد کی محرومی کا احساس بہت شدت سے ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان دونوں کے درمیانی تعلقات کسی حد تک استوار نہ تھے۔ اسی امر کے پیش نظر ایک مرتبہ امہات المومنینؓ نے حضرت فاطمہؓ کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھجوایا تھا کہ آپ اپنی بیویوں اور عائشہ کے درمیان مساوات کو کام میں لائیں اور حضرت فاطمہؓ نے بھی یہ خدمت بخوشی قبول کر لی تھی۔

حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی رنجش کا باعث یہ امر بھی ہو سکتا ہے کہ واقعہ افک کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا:۔

"اللہ تعالیٰ نے آپ پر تنگی وارد نہیں کی۔ عائشہؓ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں ایسی ہیں جن سے آپ نکاح کر سکتے ہیں"

انسانی طبائع کا خاصہ ہے کہ وہ اس قسم کی باتوں کا اثر بہر حال قبول

رتی ہیں۔ اس لئے اگر حضرت علیؓ کے اس قول سے حضرت عائشہؓ کو رنج پہنچا
ا اور اس کا اثر ان کے اور حضرت فاطمہؓ کے تعلقات پر پڑا ہو تو تعجب نہیں
یکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ اس رنجش نے کبھی
اگوار صورت اختیار نہیں کی اور ہر ایک کے دل میں دوسرے کے لئے
زت اور احترام کے جذبات برقرار رہے۔"

یہ ہے مختصر خاکہ حضرت عائشہؓ کی خانگی زندگی کا جس پہ ایک نظر ڈالنے
سے ہیں۔ ان کی عظیم الشان شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا علم ہو جاتا ہے۔ حضرت
عائشہؓ نے عام بیویوں کی طرح زندگی گزاری بلکہ تعلیم و تلقین کا بوجھ اپنے
کندھوں پر اُٹھا کر انہوں نے صحیح معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شریک
حیات ہونا ثابت کر دیا۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی پیش کردہ تعلیمات کو جس
طرح انہوں نے اپنے ذہن میں محفوظ کیا اور کوئی نہ کر سکا۔ اور حضور کی وفات
کے بعد آپ کی چھوڑی ہوئی امانت —— کتاب اللہ اور سنت نبوی ——
کو جس خوش اسلوبی سے انہوں نے امت تک پہنچایا، دوسرے صحابہ میں اس
کی نظیر ملتی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

واقعۂ افک

حضرت عائشہؓ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ بہتان طرازی کا وہ ناپاک الزام ہے جو منافقین کی طرف سے آپ کی پاک اور مطہر شخصیت کے خلاف گھڑا گیا۔ اس ناپاک الزام کی اشاعت میں سب سے بڑا ہاتھ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبَیّ سلول کا تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں سے سخت دشمنی تھی، لیکن اپنے ہم وطنوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہ سکتا تھا اور اپنے دل کا غبار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اصحاب کے خلاف الزام تراشیوں اور بہتان تراشیوں کے ذریعے نکالتا رہتا تھا۔

اس ناپاک الزام کی اشاعت کے وقت فتنہ پرداز منافقین نے اخلاق اور شرافت کی سب حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جو کام کیا، اس کے

باعث قیامت تک آنیوالی نسلیں ان پر لعنت بھیجتی رہیں گی اس موقعہ پر وہ
اسباب مجتمع ہو گئے تھے، جنہیں فتنہ پرداز لوگ اپنے مذموم مقاصد کی بجا آوری
کے لئے مفید خیال کرتے ہیں اور جن کی بناء پر وہ سادہ لوح لوگوں کو اپنے
پیچھے لگا کر معصوم ہستیوں کے متعلق افتراء پردازی اور بہتان تراشی کی مہم
شروع کر دیتے ہیں۔ ذیل میں ان اسباب کا بالاختصار تجزیہ کیا جاتا ہے:۔

قدیم سے لوگوں کی یہ عادت چلی آتی ہے کہ اگر کسی شخص کے خلاف کوئی
افواہ پھیلتی ہے تو وہ اس کی تصدیق اور تحقیق کرنے کی بجائے خود اپنی طرف
سے نت نئی باتیں گھڑ کر افواہ کے دائرے کو وسیع کرنے کی کوشش کرتے
ہیں۔ ویسے تو معمولی معمولی باتوں ہی کا بتنگڑ بنا لیا جاتا ہے لیکن اگر کسی عورت
کو ناجائز تعلقات کے الزام میں ملوث کیا جائے تو ایسے مواقع پر لوگوں کی
دلچسپی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر معزز افراد اور عزت و وجاہت رکھنے والے
اصحاب ان الزامات کی لپیٹ میں آ جائیں تو عوام کی دلچسپی کئی گناہ بڑھ
جاتی ہے اور اگر اس قسم کے گندے الزامات لگانے اور ان کی اشاعت
کرنے سے بعض لوگوں کی مخصوص اغراض وابستہ ہوں تو فتنہ میں اور بھی زیادتی
ہو جاتی ہے اور اگر اس فتنہ کا مقصد قومی عصبیت کو بھڑکانا اور ایک

فریق کے دل میں دوسرے فریق کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات پیدا کرتا ہو تو اس صورت میں یہ فتنہ اپنی حد کو پہنچ جاتا ہے اور اس سے سنگین نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے خلاف بہتان طرازی کا افسانہ بھی اسی قبیل سے ہے اس میں بھی ایک پاکباز مرد اور مطہر عورت پر الزام تراشی کی گئی تھی۔ یہ دونوں مرد وعورت بہت بڑی شان کے مالک تھے اور اس الزام کو مشتہر کرنے میں قبیلہ خزرج کے سب سے بڑے سردار اور رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کی بعض مخصوص اغراض وابستہ تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حضرت عائشہؓ کے متعلق فتنہ برپا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکتا۔

ابن سلول جیسے بد طینت شخص کی مثال دُنیا کے پردے پر ملنی مشکل ہے کذب ونفاق اور مداھنت اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں پھیلانا اور فتنہ وفساد کی راہیں نکالنے کی کوشش کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

ہجرت مدینہ سے قبل یہ شخص قبیلہ خزرج کا سردار تھا اور بڑی جاہ وحشمت کا مالک۔ لیکن مدینے میں اسلام پھیلنے کی وجہ سے اس کی سب عزت ووجاہت

ختم ہو گئی۔ جس کے باعث یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن بن گیا۔ بظاہر تو کچھ کر نہ سکتا تھا، منافقین کے زمرے میں شامل ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ ایک طرف دشمنان اسلام سے خفیہ ساز باز کر کے انہیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ترغیب دینے لگا۔ اور دوسری طرف اندرون خانہ مختلف تدابیر سے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔

واقعہ افک سے چند دن پہلے، جب کہ مسلمان غزوۂ بنو مصطلق سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ رہے تھے، اسلامی لشکر نے ایک چشمے پر پڑاؤ ڈالا۔ ایک مرتبہ چشمے سے پانی لیتے وقت ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان معمولی جھگڑا ہو گیا۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ بلکہ اکثر اوقات، جب چشمے میں پانی کم ہو اور پانی لینے والے زیادہ ہوں، اس قسم کے جھگڑے ہو ہی جایا کرتے ہیں لیکن ابن سلول نے اسی واقعہ کو فساد کی جڑ بنا کر فتنے کی آگ بھڑکانے اور مہاجرین اور انصار کے درمیان نفرت و حقارت کے جذبات اُبھارنے کی کوشش کی اس نے طیش میں آ کر بہت گندے الفاظ منہ سے نکالے اور کہا۔

"مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کر اب قریش کو یہ دن لگے ہیں کہ کھاتے بھی ہیں اور غراتے بھی ہیں۔ خدا کی قسم! جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو معزز ترین آدمی ذلیل ترین آدمی کو نکال باہر کرے گا (معزز ترین آدمی سے اس کا اشارہ اپنی طرف تھا اور ذلیل ترین آدمی سے نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف) اس کے بعد وہ اپنے ہم قبیلہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:۔

"یہ سب کچھ تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم نے انہیں اپنے گھروں میں جگہ دی اور اپنے اموال ان میں تقسیم کر دئے اور ابھی کیا ہے۔ اگر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا تو تمہیں دکھا دوں گا کہ یہ لوگ تمہیں تمہارے گھروں سے نکال باہر کریں گے اور تم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔"

ابن سلول کی ان فتنہ انگیز باتوں کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہو گئی۔ لیکن جب آپ نے اس سے استفسار فرمایا تو وہ صاف مکر گیا اور قسم کھالی کہ اس نے اس قسم کی کوئی بات زبان سے نہیں نکالی۔

غرض اپنی ناکامی اور قیادت سے محرومی کے باعث ابن سلول کا جذبۂ انتقام ابھر آیا تھا اور وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مسلمانوں کو تنگ کرنے

اور انہیں نیچا دکھانے پر تلا ہوا تھا، چنانچہ اس کی انہی مفسدانہ باتوں کو دیکھ کر قبیلہ اوس کے ایک بڑے سردار اُسید بن حضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ "آپ ابن سلول کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ یہ معذور ہے۔ آپ کے مدینہ تشریف لانے سے قبل اہل مدینہ نے متفقہ طور پر اسے اپنا سردار بنانے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کے لئے تاج بھی تیار ہو گیا تھا لیکن آپ کے آنے سے اس کی تمام اُمنگیں دل ہی دل میں دبی رہ گئیں اور اسکی بادشاہی کے خواب حسرتوں میں تبدیل ہو گئے۔ اب وہ اپنی شکست اور ناکامی کا انتقام لینے کی خاطر ان کمینہ حرکات پہ تلا ہوا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ حضور اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیں۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ پہ بہتان کی اشاعت و ترویج سے اس کی غرض عام شریر انسانوں کی طرح محض ایک پاکباز عورت کو متہم کرنا نہ تھی بلکہ اصل مقصد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اسلام کو بدنام کرنا تھا۔ چنانچہ جب صفوان بن اُمیّہ کا اونٹ جس پہ حضرت عائشہ رضی سوار تھیں، ابن سلول کے پاس سے گزرا تو اس نے پوچھا:۔

"یہ عورت کون ہے؟"

جب اسے بتایا گیا کہ یہ عائشہؓ ہیں تو اس نے کہا۔

" لو۔ یہ تمہارے نبی کی بیوی ہے جس نے رات ایک جبر مرد کے ہمراہ گزاری (نعوذ باللہ من ھذا لخرافات) اور اب صبح ہونے پر وہ اسے اپنے ساتھ لے کر آیا ہے"۔

عبداللہ بن اُبی بن سلول کی طرح دیگر مخالفین اسلام نے بھی واقعہ افک کو اسلام اور بانی اسلام علیہ التحیۃ والتسلیم پر طعن و تشنیع کرنے کا ایک ذریعہ بنا رکھا ہے اور اس کام میں یورپ کے پادری اور مستشرقین پیش پیش ہیں، البتہ جن لوگوں میں شرافت کا کچھ مادہ پایا جاتا ہے وہ اس واقعہ کو سراسر بعید از عقل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور اپنی کتاب میں لکھتا ہے :۔

" عائشہؓ کی ماقبل اور مابعد کی سیرت کا مطالعہ کرنے سے یہ امر نہایت صاف اور واضح طور پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس ناپاک اتہام سے قطعاً بری تھیں۔

بعض لوگ حقیقت سے اس حد تک تجاوز کر گئے ہیں کہ انہوں نے لکھ دیا کہ عائشہ نبی کریمؐ سے ایک دن تک علیحدہ رہیں اور یہ پورا دن انہوں نے صفوان کے ساتھ گزارا۔ چنانچہ راڈویل (Rodwell.

اپنے ترجمۃ القرآن میں سورۂ نور کے اس مقام پر جہاں اس واقعہ کا ذکر آیا ہے، حاشیہ میں یہی لکھا ہے۔

بیشتر مستشرقین نے اگرچہ واقعات بیان کرنے میں انتہائی تلبیس سے کام لیا ہے تاہم انہیں یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ حضرت عائشہؓ کو نعوذ باللہ اس الزام میں ملوث گردان سکیں۔ لیکن بعض پادری امانت و دیانت اور اخلاق و شرافت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایسا کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ محمد نے عائشہ کو الزام سے بری قرار دینے اور اتہام لگانے والے اشخاص کو عبرتناک سزا سے ڈرانے کے لئے سورۂ نور کی وہ آیات تصنیف کیں جن میں عائشہ کی برّیت کا بیان اور الزام لگانے کی صورت میں چار گواہوں کی شہادت پیش کرنے کا ذکر ہے۔

جن مستشرقین نے اس قسم کی خامہ فرسائی کی ہے انہوں نے قرآن کریم سے اپنی ناواقفیت اور جہالت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اگر عورت پر الزام لگانے کی صورت میں چار گواہ پیش کرنے کا ذکر صرف سورۂ نور میں ہوتا تب ان مستشرقین نے کے لئے اعتراض کرنے کی کچھ گنجائش ہوتی

لیکن جو شخص قرآن کریم کی آیات سے واقف ہے، اسے معلوم ہے کہ سورۂ نساء میں بھی زنا کے الزام کی صورت میں چار گواہ پیش کرنے کا ذکر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

واللٰتی یاتین الفاحشۃ من نساءکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم۔ فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتٰی یتوفاھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا۔

(وہ عورتیں جو زنا میں ملوث پائی جائیں، ان کے خلاف چار گواہ پیش کرنے ضروری ہیں۔ اگر وہ گواہی دے دیں تو ایسی عورتوں کو اپنے گھروں میں اس وقت تک روک کے رکھو جب تک ان کا رشتۂ حیات منقطع نہ ہو جائے۔ یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا نہ کر دے)

یہ امر بداھت ثابت ہے کہ سورۂ نساء کی یہ آیات سورۂ نور سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھیں اور اس وقت کسی شخص کو اس بات کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ آگے چل کر حضرت عائشہ رضؓ پر اس قسم کا اتہام لگایا جائے گا لہٰذا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محض عائشہ رضؓ کو بچانے کی خاطر چار گواہوں کی شرط لازم قرار دے دی، ایک ایسا بہتان ہے، جس سے

بہتان لگانے والے کی علمی جہالت آشکارا ہو جاتی ہے۔

بعض پادریوں نے یہ گوہر افشانی کی ہے کہ جب مسلمان غزوۂ بنو مصطلق سے واپس آرہے تھے تو راتیں اندھیری تھیں اور اندھیری راتوں میں ایک گم شدہ ہار کا ڈھونڈنا سخت دشوار امر ہے۔ لیکن یہ بات بھی بالبداہت غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲ ر شعبان کو سفر پر روانہ ہوئے تھے۔ اور حضور کی واپسی یقیناً چاندنی راتوں میں ہوئی تھی، علاوہ بریں اگر ان دنوں اندھیری راتیں ہوتیں تو منافقین، جو پادریوں کی طرح اعتراض کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، اپنے الزام کی تشہیر کے دوران میں اس امر کو بھی ضرور پیش کرتے، لیکن ہمیں اس قسم کی کوئی روایت نظر نہیں آتی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ منافقین کی طرف سے اپنے الزام کے ثبوت میں یہ امر بھی پیش کیا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم جس جہت سے بھی دیکھیں، اس الزام کے سراپا افتراء ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ نہ معلوم وہ لوگ کس قسم کی ذہنیت کے مالک تھے، جنہوں نے اس اتہام کی تشہیر میں حصہ لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے کس طرح یہ یقین کر لیا کہ لوگوں کے دماغ

اس قدر ماؤف ہو چکے ہیں اور ان کی عقلیں اس حد تک اندھی ہو چکی ہیں کہ وہ ان کی طرف سے پیش کردہ ہر قسم کی خرافات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اس الزام کی تشہیر کرنے والے لوگوں سے قطع نظر، حال کے مخالفین اسلام کی عقلوں پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ کس ڈھٹائی سے تاریخی واقعات اور حقائق کو جھٹلانے کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اپنی عقلوں کو ذرا بھی کام میں لاتے تو انہیں اس حقیقت کا علم ہونے میں ذرا بھی دقت نہ ہوتی کہ کوئی ایک قرینہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا۔ جس سے اس الزام کی صحت ثابت ہو سکتی ہو۔ یہ الزام ایک بدترین جھوٹ ہے۔ کسی دیانت دار مؤرخ کے لئے زیبا نہیں کہ وہ دیدہ دانستہ اس جھوٹ پر پردہ ڈالنے اور اسے سچ ثابت کرنے کی کوشش کرے۔ یہ ایک خطرناک بدظنی ہے۔ کسی انسان کے لئے مناسب نہیں کہ اس سے اپنے آپ کو آلودہ کرے۔ ایک پاکباز عورت پر گندی تہمت ہے۔ کسی شریف انسان سے قطعاً بعید ہے کہ وہ اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی یقین کر سکے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی براءت نازل فرمائی۔ اس لئے نہیں کہ یہ معاملہ اس قدر مشکوک تھا کہ اللہ تعالیٰ کی براءت کے بغیر صاف نہ ہو سکتا

تھا بلکہ اس لئے کہ آئندہ اگر کبھی کسی پاک دامن عورت کے ساتھ یہ معاملہ پیش آئے تو لوگ بلا سوچے سمجھے دریدہ دہن اور خبیث الفطرت لوگوں کے پیچھے نہ چل پڑا کریں۔ ورنہ حضرت عائشہؓ کا دامن تو اس قدر صاف تھا۔ کہ کسی شریف الطبع غیر مسلم تک کو اس کی صفائی میں شبہ نہیں ہوسکتا۔ کجایہ کہ ان کی براءت میں آسمان سے وحی نازل ہونے کی ضرورت پڑتی۔

خلاصہ یہ کہ اس ناپاک الزام سے حضرت عائشہؓ کی براءت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ اس تہمت کے ثبوت میں حقیر سے حقیر اور کمزور سے کمزور دلیل بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

بہتان طرازی کا فتنہ غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر شروع ہوا۔ واپسی کے معًا بعد ایسے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کی کینہ پروری اور بغض و عداوت ضرور رنگ لاکر رہے گی۔ اس شخص پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد احسانات کئے تھے۔ لیکن ان کا بدلہ اُس نے یہ دیا۔ کہ ہمیشہ مسلمانوں کی تباہی کے درپے رہا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ کینہ وری اور مکر و فریب میں اس کا جواب

نہ تھا اور سازشوں اور بہتان طرازیوں میں یہ شخص طاق تھا۔

سب سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک جگہ مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا۔ قریب ہی ایک کنواں تھا۔ لوگ وہاں پانی لینے کے لئے پہنچے۔ اتفاقاً ایک مہاجر اور انصاری کی پانی بھرتے وقت باہم کچھ گرم گفتگو ہو گئی اور دونوں نے جاہلیت کے طریقے کے مطابق اپنے اپنے قبیلے کو مدد کے لئے پکارا۔ یہ آواز سنتے ہی دونوں فریق ہتھیار لے کر کنوئیں پہ پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ تلواریں کھنچ جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خبر پہنچ گئی۔ آپ اپنے خیمے سے باہر نکلے اور فریقین کو جمع کر کے سخت خفگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تم نے میرے سامنے جاہلیت کی باتوں کو دوہرانا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سن کر قریش اور انصار دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے آئندہ کے لئے محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ بات آئی گئی ہو گئی۔

یہ واقعہ بظاہر بہت ہی معمولی تھا اور بعد میں کسی کو اس کا خیال بھی نہ رہتا لیکن عبداللہ بن اُبی بن سلول نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے اس موقعہ کو بہت اہم سمجھا اور اس واقعہ کی بنا پر اُس نے قبیلہ خزرج میں عصبیت کی آگ بھڑکانے کی کوشش شروع کر دی۔ جو شخص بھی اسے ملتا، اُسے روک

کرکہتا:۔

"کیا تم نے آج سے زیادہ ذلت آمیز سلوک کبھی ہم سے ہوتے دیکھا؟ خدا کی قسم! اپنے قبیلے کی ذلت کو دیکھ کر میرا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اچھا لشکر کو مدینے پہنچ لینے دو۔ وہاں پہنچ کر معزز ترین شخص ذلیل ترین شخص کو شہر سے نکال دے گا۔"

اسی شیخی پر بس نہیں کی بلکہ اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا:۔

"تم نے محمد کی پیروی کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم نے اس کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اپنی اولادوں کو یتیم اور بیویوں کو بیوہ بنا لیا۔ تم تعداد میں زیادہ تھے لیکن آہستہ آہستہ تمہاری تعداد گھٹتی گئی۔ قریش تھوڑے تھے لیکن ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ اب تمہارے بچاؤ کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ اب تم محمد اور اس کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو۔ یہ دیکھ کر آہستہ آہستہ سب لوگ محمد کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور تمہیں ایک عظیم مصیبت سے نجات مل جائے گی۔"

عبداللہ بن ابی بن سلول کی ان مفسدانہ باتوں کی اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مل گئی۔ دوپہر کا وقت تھا اور شدید گرمی پڑ رہی تھی لیکن آپ نے

یہ خبر ملتے ہی فوراً لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ ایک صحابی اسید بن حضیر نے کہا:۔

"یارسول اللہ! یہ تو بہت ہی نامناسب وقت ہے۔ اس وقت تو آپ کبھی کوچ کا حکم نہیں دیتے۔ آج کیا نئی بات ہو گئی ہے؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"تم نے سنا نہیں عبداللہ بن ابی بن سلول کیا کہتا ہے؟"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق لشکر نے کوچ شروع کر دیا آپ باری باری اونٹنی کو کوڑا مارتے تھے۔ تاکہ وہ جلدی چلے۔ اسی طرح دن کا آخر آ گیا لیکن آپ نے برابر کوچ جاری رکھا اور رات کو بھی کہیں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ اگلے روز صبح کو، جب سورج کی کرنیں لشکر پر پڑنے لگیں، اس وقت آپ نے لوگوں کو پڑاؤ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ لوگ تھکے ہوئے تو تھے ہی، سواریوں سے اترتے ہی پڑ کر سو گئے۔

جب دوبارہ سفر شروع ہوا تو سخت آندھی چلنے لگی اور لشکر کی ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ ادھر بعض لوگوں کو یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں عیینہ بن حصن مسلمانوں کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر اس دوران میں مدینہ پر حملہ نہ کر دے۔ کیونکہ اس کے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کی میعاد ختم ہو گئی تھی۔ ان

حالات کی وجہ سے لشکر نے غیر معمولی رفتار سے کوچ شروع کر دیا اور بہت جلد مدینہ کے قریب پہنچ گیا۔

ابھی مدینہ کچھ فاصلے پر تھا کہ سورج غروب ہو گیا اور رات کی تاریکی کے باعث لشکر کو ایک میدان میں پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ پچھلے پہر جب دوبارہ کوچ کی تیاریاں شروع ہوئیں تو حضرت عائشہ رض کو رفع حاجت کی ضرورت پیش آئی اور وہ قافلے سے ذرا دور چلی گئیں جب واپس آئیں تو معلوم ہوا کہ ان کا ہار کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔ وہ اس کی تلاش میں دوبارہ قافلے سے باہر نکلیں اندھیری رات میں ایک چھوٹے سے ہار کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام تھا۔ انہیں کافی دیر لگ گئی۔ اس دوران میں ہودج اٹھانے والوں نے اس خیال سے کہ حضرت عائشہ رض اپنے ہودج میں ہیں، اسے اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ چونکہ حضرت عائشہ رض بہت دبلی پتلی تھیں۔ اس لئے ہودج کے ہلکا ہونے کے باوجود انہیں شبہ بھی نہ ہوا کہ وہ اس میں نہیں ہیں۔

ہار کو تلاش کر کے جب حضرت عائشہ واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ وہ بہت گھبرائیں لیکن یہ خیال کر کے وہیں پڑ رہیں کہ جب قافلے والوں کو ان کے ہودج میں نہ ہونے کا علم ہو گا تو وہ انہیں لینے کے لئے واپس آئیں گے

صفوان بن معطل ایک صحابی تھے جو لشکر کی گری پڑی چیزوں کو اٹھانے کے لئے لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خود اس خدمت پر مامور فرمایا تھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت گہری نیند سونے والے تھے۔ لشکر روانہ ہو جاتا تھا مگر ان کی آنکھ نہ کھلتی تھی اور وہ بدستور خواب غفلت میں مدہوش رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت بھی کی تھی کہ میرا خاوند سوتا رہتا ہے۔ اور نماز فجر کے لئے بھی نہیں اٹھتا۔ چونکہ حضور صفوان کی عادت سے واقف تھے اس لئے آپ نے انہیں اجازت دے دی تھی کہ جس وقت ان کی آنکھ کھلے نماز ادا کر لیا کریں۔

اس جگہ اس امر کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ صفوان کی بیوی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرنے کا مقصد دراصل حضور کو اس طرف توجہ دلانا تھا کہ صفوان کو مجھ سے بالکل رغبت نہیں ہے اور وہ میرے پاس کبھی نہیں آتا۔ چونکہ وہ شرم و حیا کی وجہ سے یہ بات کھلم کھلا زبان پر نہ لا سکتی تھیں اس لئے انہوں نے صفوان کی گہری نیند کا تذکرہ کر کے اپنی شکایت کا اظہار کنایۃً حضور کے سامنے کر دیا۔ صفوان کے اپنے بیان سے بھی اس بات

گی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ جب انہوں نے لوگوں کو اپنے متعلق چہ میگوئیاں کرتے سنا تو قسم کھا کر کہا کہ میں نے آج تک کسی عورت کے کندھے پر سے کپڑا نہیں اٹھایا۔

دن چڑھے جب صفوان بیدار ہوئے تو انہوں نے دور میدان میں ایک سیاہ چیز پڑی ہوئی دیکھی جب وہ قریب آئے تو معلوم ہوا وہ حضرت عائشہؓ ہیں انہوں نے زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ انا للہ پڑھنے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس آواز سے جاگ اٹھیں اور بات کرنے کی نوبت نہ آئے صفوان کی آواز سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی۔ صفوان اپنا اونٹ قریب لائے اور کہا "ام المومنین! سوار ہو جائیے"۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ صفوان اس کی مہار پکڑ کر لشکر کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے اور دوپہر کے وقت اسے جا لیا۔

جب عبداللہ بن ابی کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اسے فتنہ پردازی کا ایک اور موقعہ ہاتھ آ گیا۔ وہ پہلے ہی ایک مہاجر اور انصاری کے معمولی جھگڑے سے فائدہ اٹھا کر مہاجرین اور انصار میں تفرقہ ڈلوانے اور عصبیت کی آگ بھڑکانے کی مذموم کوشش کر چکا تھا۔ اس ناپاک تہمت کی تشہیر تو اس نے

راستے ہی میں کرنی شروع کر دی تھی لیکن مدینہ پہنچنے پر اس فتنہ نے منظم پروپیگنڈے کی صورت اختیار کر لی اور منافقین نے زور شور سے اس الزام کو مشتہر کرنا شروع کر دیا۔

اس فتنہ کے پھیلانے سے منافقین کی تین اغراض تھیں۔ اوّل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان اختلاف پیدا کر دیا جائے دوم مسلمانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کے متعلق بدگمانی کے جذبات ابھارے جائیں سوم۔ انصار اور خصوصاً قبیلہ خزرج اور قریش میں اختلاف پیدا کر کے اوّل الذکر کو اسلام سے برگشتہ کر دیا جائے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا ذکر خود حضرت عائشہؓ کی زبانی بھی بیان کر دیا جائے۔ کیونکہ جس تفصیل سے خود انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے اور کسی صحابی یا راوی نے نہیں کیا۔ وہ فرماتی ہیں:۔

"غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر جب ہم مدینہ پہنچے تو میں ایک مہینے تک بیمار رہی۔ دریں اثناء لوگوں میں منافقین کی پھیلائی ہوئی باتوں کا چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ البتہ مجھے یہ احساس ضرور ہوتا تھا کہ مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا سا التفات نہیں ہے۔ حضور اس

وقت میرے پاس تشریف لاتے جب میری والدہ میری تیمارداری میں مصروف ہوتیں اور معمولی مزاج پرسی کرکے واپس تشریف لے جاتے۔ مجھے سخت حیرت تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے کی طرح شفقت سے کیوں پیش نہیں آتے۔ ایک دن اسی بیماری کی حالت میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے باہر نکلی۔ ام مسطح میرے والد کی خالہ زاد بہن تھیں۔ راستے میں ان کا پاؤں چادر میں الجھ گیا۔ ان کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔

"مسطح تباہ ہو گیا"

میں نے کہا:۔ تم کتنی بری بات اپنی زبان سے نکال رہی ہو۔ ایسے آدمی کو کوستی ہو جو جنگ بدر میں شریک تھا۔" وہ کہنے لگیں "بھولی بھالی لڑکی! تم نے نہیں سنا وہ کیا کہتا ہے؟" میں نے پوچھا "کیا کہتا ہے؟" اس پر انہوں نے تمام واقعہ بتایا کہ میرے متعلق منافقین کیا کیا بہتان طرازیاں کر رہے ہیں۔ یہ سن کر میری بیماری میں زیادتی ہو گئی، میں اپنے گھر واپس آ گئی اور رات اس حالت میں گزاری کہ نہ ایک پل کے لئے میری آنکھوں سے آنسو تھمے اور نہ آنکھ جھپکی۔ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سلام کے بعد حسب معمول فرمایا:۔ "تمہارا کیا

حال ہے؟" میں نے حضور سے اپنے والدین کے گھر جانے کی اجازت مانگی کیونکہ میں چاہتی تھی کہ ان سے مفصل اور یقینی حالات معلوم کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی اور میں اپنے والدین کے گھر آ گئی۔ اس وقت میری والدہ ام رومان گھر کے نچلے حصہ میں تھیں اور اوپر میرے والد ابوبکر قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ میری والدہ مجھے دیکھ کر کہنے لگیں "تم اس بیماری کی حالت میں کیوں چلی آئیں؟" میں نے کہا "میرے متعلق لوگ جو باتیں بنا رہے ہیں۔ وہ آپ سنتی رہیں لیکن مجھ سے آپ نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔" انہوں نے جواب دیا "بیٹی! رنج نہ کرو۔ اگر کوئی خوبصورت عورت کسی ایسے مرد کی زوجیت میں ہو جو اس سے بہت محبت کرتا ہو اور اس کی سوتنیں بھی ہوں تو بسا اوقات اس کے متعلق ایسی ایسی خبریں مشہور ہو ہی جاتی ہیں" یہ سن سن کر میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میرے رونے کی آواز سنکر والد اتر کر آئے اور والدہ سے کہنے لگے "اسے کیا ہوا؟" انہوں نے جواب دیا "اسے ان باتوں کا علم ہو گیا ہے جو اس کے متعلق مشہور کی جا رہی ہیں" یہ سنکر ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ دو راتیں مجھے مسلسل روتے ہی گزریں میرے والدین برابر میرے پاس بیٹھے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ روتے روتے

میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آپ نے فرمایا "عائشہ مجھے تمہارے متعلق اس قسم کی باتیں پہنچی ہیں، اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی جانب سے خود تمہاری برئیت نازل فرمائے گا اور اگر تم واقعی اس گناہ میں ملوث ہو تو اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو۔ کیونکہ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کر دیتا ہے"۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات ختم کر چکے تو میرے وہ آنسو جو پچھلے کئی دنوں سے جاری تھے یکایک تھم گئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا گویا میری آنکھوں میں کوئی قطرہ تھا ہی نہیں۔ میں نے اپنے والد سے کہا "رسول اللہ کو جواب دیجئے"۔ انہوں نے فرمایا "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں"۔ اس پر میں نے والدہ سے کہا "آپ جواب دیجئے" انہوں نے بھی یہی کہا کہ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا" اس پر میں یوں گویا ہوئی :۔

"آپ لوگوں نے یہ بات اتنے تواتر سے سنی ہے کہ وہ آپ کے دلوں میں راسخ ہو گئی ہے اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات تسلیم نہیں کریں گے لیکن اگر میں

کسی گناہ کا اعتراف کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو آپ لوگ اسے تسلیم کر لیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اس بات کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتی جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہی تھی یعنی فصبر جمیل واللّٰہ المستعان۔ (صبر کرنا ہی بہتر ہے اور اللہ ہی میرا مددگار ہے)

اس کے بعد میں منہ پھیر کر لیٹ گئی۔ مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں وحی نازل فرمائے گا۔ بلکہ یہ امید تھی کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسا رویا دکھائے گا جس سے میری برأت ظاہر ہو جائے گی اس موقعہ پر ابوبکرؓ نے صرف اتنا کہا "عرب کے کسی گھرانے کو اتنی ذلت نہ اٹھائی پڑی ہو گی جتنی ہمیں اٹھانی پڑی ہے! خدا کی قسم! جاہلیت میں بھی ہمارے متعلق ایسی باتیں نہ کہی گئی تھیں جو اسلام لانے کے بعد کہی جا رہی ہیں" ....

اسی دوران میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی حالت طاری ہوئی آپ نے اپنے آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ لیا اور میں نے آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں وہ حالت جاتی رہی۔ آپ ہنس رہے تھے اور موتیوں کی مانند پسینے کے قطرے آپ کے چہرے سے گر رہے تھے۔ آپ نے انہیں پونچھا اور پہلی بات منہ سے یہ نکالی:—

"عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہاری بریت نازل فرما دی ہے"۔

والدہ نے یہ سن کر مجھ سے کہا "کھڑی ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو"۔ میں نے جواب دیا "میں نہ کھڑی ہوں گی اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا شکریہ ادا کروں گی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری قمیص پکڑنی چاہی مگر میں نے ایسا نہ کرنے دیا۔ یہ دیکھ کر میرے والد جوتی لے کر مجھے مارنے کو اُٹھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا اور مسکرانے لگے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ ایام سخت قلق اور اضطراب کی حالت میں گزارے۔ حضور کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آپ نے صحابہ سے اس کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمر نے نہایت دلیری سے عرض کیا "یا رسول اللہ عائشہؓ کی شادی آپ سے کس نے کرائی تھی؟" حضور نے جواب دیا "اللہ تعالیٰ نے" حضرت عمر کہنے لگے: "تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عائشہؓ کے بارے میں آپ سے نعوذ باللہ دھوکا کرے۔ خدا کی قسم! یہ سب افترا ہے اور ایک عظیم بہتان ہے جو عائشہؓ پر لگایا جا رہا ہے"۔ حضرت عمرؓ کے بعد آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت اسامہؓ کو بلایا اور عائشہؓ سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں

ان کی رائے دریافت فرمائی۔ اسامہ بن زیدؓ نے کہا "یارسول اللہ! وہ آپ کی بیوی ہیں آپ کو اختیار ہے لیکن ہمارا علم تو یہی ہے کہ وہ نیک اور پارسا ہیں ہمیں تو ان میں کوئی برائی نظر آتی نہیں" حضرت علیؓ کہنے لگے "یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر کسی قسم کی تنگی وارد نہیں کی۔ عائشہؓ کے علاوہ اور بھی بہت عورتیں ہیں (جن سے آپ نکاح کر سکتے ہیں) ہاں اگر آپ تحقیقی بات دریافت کرنا چاہیں تو لونڈی (بریرہ) سے دریافت فرمائیں وہ آپ کو تمام احوال سے آگاہ کر دے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور ان سے پوچھا "اے بریرہ! کیا تمہیں اپنی مالکہ کی کسی برائی کا علم ہے؟" انہوں نے جواب دیا "یارسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے آج تک عائشہ میں کسی قسم کا عیب نہیں دیکھا، سوائے اس کے کہ وہ نوعمر لڑکی ہیں آٹا کھلا چھوڑ کر غافل سو جاتی ہیں، بکری آتی ہے اور کھا جاتی ہے مگر انہیں پتہ نہیں چلتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ کے بارے میں زینبؓ بنت جحش کی رائے بھی دریافت فرمائی جو عائشہؓ کے بعد حضور کی سب سے محبوب بیوی تھیں انہوں نے جواب دیا "میں وہی کہوں گی جو میرے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا میں تو عائشہؓ کو بالکل نیک سمجھتی ہوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی اس فتنہ پردازی سے تکلیف ہو رہی تھی۔ آخر ایک دن آپ منبر پر چڑھے اور فرمایا۔

"ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو میرے اہل وعیال پر جھوٹے الزامات لگا کر مجھے تکلیف دے رہے ہیں وہ ایک ایسے آدمی کو متہم گردانتے ہیں جو پاک سیرت ہے۔ میری غیر حاضری میں کبھی میرے گھر میں داخل نہیں ہوا۔ اور سفر کے موقعہ پر ہمیشہ میرے ساتھ رہا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر قبیلہ اوس کے ایک سرکردہ فرد اسید بن حضیر نے کھڑے ہو کر عرض کیا:۔

"یارسول اللہ! اگر ایسے لوگ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم خود انہیں سزا دینے کے لئے کافی ہیں اور اگر وہ ہمارے بھائی خزرج میں سے ہیں تو ان کے متعلق آپ جو حکم ہمیں دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے، ہمارے خیال میں تو وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔"

اس پر قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ اچھل کر کھڑے ہو گئے اور چیخ کر کہنے لگے:۔

"ابن حضیر! تم جھوٹ بولتے ہو۔ تم ہرگز ان لوگوں کی گردنیں نہیں مار سکتے۔

یہ بات تم نے اس لئے کہی ہے کہ ایسے لوگ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں اگر تمہارے قبیلے اوس سے ان کا تعلق ہوتا تب تم کبھی ایسی بات نہ کہتے"

یہ سن کر اوس اور خزرج کے لوگوں میں تُو تُو میں میں ہوتے لگی۔ قریب تھا کہ لڑائی ہوتے لگتی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

واقعہ افک کے متعلق جو روایات کتب احادیث میں مروی ہیں اور غیر مسلموں نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے، ہم نے اُس کا خلاصہ قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اسے پڑھ کر وہ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس بہتان کی کیا حیثیت تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس اتہام کے ذریعے صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرنا اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈلوانا مقصود تھا، ورنہ یہ کہانی اتنی لغو، بیہودہ بعید از عقل اور از سرتا پا کذب و افتراء کا مجموعہ تھی کہ اس پر معمولی عقل و خرد کا انسان بھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کجا یہ کہ صحابہ کرام جیسی عظیم الشان شخصیتیں یقین کر لیتیں۔ حقیقت اس سے زیادہ نہ تھی کہ حضرت عائشہؓ سفر کے دوران میں اتفاقاً پیچھے رہ گئیں اور وہ بھی اس لئے کہ لشکر اچانک روانہ ہو گیا تھا اور سفر کے دوران میں ایسی

حالتوں کا پیش آجانا قطعاً بعید نہیں ہے اگر محض اس وجہ سے شک وشبہ کی بنیاد قائم کرلی جائے تو پھر ہر اس عورت پر اتہام لگانا آسان ہے جو کسی وجہ سے سفر کے دوران میں پیچھے رہ جائے اگر ایسا ہونے لگے تو پھر کسی بھی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی اور خبیث الفطرت لوگ اپنے مخالفین سے بدلہ لینے کے لئے اس کی عزت وحرمت کو باسانی خاک میں ملا سکتے ہیں۔

جو لوگ اس قسم کی واہیات باتوں پر یقین کر لیتے ہیں، انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی عقل کو کام میں لائیں۔ اس قسم کے الزامات پر آنکھیں بند کرکے یقین کر لینا درست نہیں جب تک شواہد اور دلائل سے الزام کامل طور پر ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے متعلق ایک حرف بھی زبان پر لانا معصیت کبیرہ میں داخل ہے اگر منافقین کے الزام میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو کوئی نہ کوئی قرینہ ایسا موجود ہونا چاہیئے تھا جس سے اس الزام کی صحت کا یقین کیا جا سکتا لیکن ہزار کوشش کے باوجود وہ کوئی کمزور دلیل بھی اپنے ثبوت میں پیش نہ کر سکے۔

ہم ان غیر مسلموں سے بھی، جو اس واقعہ کے باعث حضرت عائشہؓ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ اگر وہ اس واقعہ کو صحیح سمجھتے ہیں تو انہیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت عائشہؓ اور صفوانؓ دونوں نعوذباللہ

اخلاق اور ایمان سے عاری۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیمات کے منکر اور ان سے انحراف کرنے والے تھے۔ لیکن اس حقیقت میں کسے شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ اور صفوان ایمان اور ایقان کے بلند ترین مقام پر تھے اور ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ ان کے اس قسم کی حرکت کا صدور ممکن ہو سکتا ہے۔

صفوان ایک غیور مسلمان تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی ہتک کو کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتے تھے انھوں نے اپنی غیرت ایمانی کا پہلا ثبوت اس وقت دیا جب غزوہ بنو مصطلق سے واپسی پر ایک چشمے سے پانی لینے کے دوران میں مہاجرین اور ابن سلول کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اس واقعہ کے نتیجے میں حسان بن ثابت نے صفوان کی ہجو کہی اور اسی کے نتیجے میں ابن سلول نے بہتان طرازی کا ناپاک فتنہ پھیلایا۔ وہ بیشتر غزوات میں شریک ہوئے اور بالآخر شہادت کا رتبہ حاصل کیا۔ کتب احادیث میں ایک بھی روایت ایسی نہیں پائی جاتی جس سے ان کے متعلق ذم کا پہلو نکلتا ہو۔ ایسے نیک اور پارسا انسان پر تہمت لگانا ایسے ہی لوگوں کا کام تھا جن کے دلوں سے اللہ تعالی کا ڈر بالکل اٹھ چکا تھا۔

حضرت عائشہ رض کے متعلق تو کوئی شقی القلب انسان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کا دل نورِ ایمان سے خالی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا عشق انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ پر وہ کامل ایمان رکھتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں مسلمانوں کی عملی سیاست میں حصہ لینے اور خونریز جنگوں میں شریک ہونے کا موقعہ ملا۔ اگر انہیں نعوذ باللہ حضور کی باتوں پر یقین اور ایمان نہ ہوتا تو وہ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے باآسانی ایسی حدیثیں وضع کر لیتیں، جن سے ان مخالفین کی تنقیص مطلوب ہوتی لیکن تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عائشہ رض نے کبھی ایسا نہیں کیا اور ایک بھی جھوٹی حدیث لوگوں کے سامنے بیان نہیں کی۔ کیا یہ ایمان کامل اور تقویٰ و طہارت کا ثبوت نہیں؟ اور کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہ رض کو یقین تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی احادیث منسوب کرنے والا اپنے مخالفین کے مقابلے میں کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتا۔

جنگِ جمل کا واقعہ کسے یاد نہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تیس سال بعد وقوع پذیر ہوئی تھی۔ وہ اپنی فوج کے ہمراہ کوچ کر رہی تھیں کہ راستے

بس ایک چشمے کے قریب لشکر پر کتے بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا "یہ کون سا چشمہ ہے؟" راہبر نے جواب دیا "یہ حواب کا چشمہ ہے۔ یہ سنتے ہی ان پر کچھ عرصے کے لئے سکتہ کی حالت طاری ہو گئی۔ انہوں نے بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ فوراً اپنے اونٹ کو بٹھا لیا اور آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج کے درمیان تشریف فرما تھے آپ نے فرمایا "نہ جانے تم میں سے کس پر حواب کے کتے بھونکیں گے؟"

یہ حدیث سنا کر بے چینی کے عالم میں کہا:۔

"مجھے لوٹا دو۔ مجھے لوٹا دو۔ کیونکہ میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیوی ہوں۔ جس پر حواب کے کتے بھونکتے ہیں۔"

ایک دن رات لشکر اسی جگہ پڑا رہا۔ حضرت عائشہؓ واپسی پر مصر تھیں لیکن آپ کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ راہبر کو غلطی لگی ہے اس چشمے کا نام حواب نہیں ہے۔ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیرؓ انہیں بار بار تسلی دیتے تھے۔ لیکن حضرت عائشہؓ ہر حالت میں مکہ واپس جانا چاہتی تھیں۔ آخر آپ کے ساتھیوں نے لشکر کے بعض لوگوں کو سکھا پڑھا کر آپ کے خیمے کی طرف بھیج

دیا۔ اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا:۔

"لوگو! اپنے بچاؤ کا سامان کر لو۔ علی بن ابی طالب کا لشکر قریب پہنچ چکا ہے۔ اور تم پر حملہ کرنے والا ہے"۔

یہ سن کر حضرت عائشہ رضؓ کو خیال ہؤا کہ کہیں واقعی رہبر غلط تو نہیں کہتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مقام حواب کے علاوہ کوئی اور ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر کو حضرت علی کے لشکر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

قابل غور امر یہ ہے کہ حوآب والی بات حضرت عائشہ رضؓ اور ان کی سوتوں کے علاوہ اور کسی نے نہیں سنی تھی آپ کے لشکر میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جسے اس بات کا علم ہو۔ اگر وہ چاہتیں تو اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھ سکتی تھیں۔ لیکن ان کی غیرت ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی کو لوگوں سے پوشیدہ رکھیں۔ گو یہ پیشگوئی خود ان کے متعلق تھی لیکن انہوں نے اس کا برملا اظہار کر دیا۔ اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ وہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بدعہدی کرتیں اور آپ کی امانت میں خیانت کی مرتکب ہوتیں۔ کیا ایسی صورت میں انہیں اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے رسول کو تمام حالات سے مطلع کر دے گا اور

ان کی خیانت چھپ نہ سکے گی۔

مزید برآں یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ عائشہؓ کس کی بیٹی تھیں؟ وہ اس عظیم القدر انسان کی بیٹی تھیں۔ جس کے خاندان پر زمانۂ جاہلیت میں بھی اس قسم کی تہمت نہ لگی تھی، کجا یہ کہ زمانۂ اسلام میں خود ان کی سگی بیٹی سے ایسا مذموم فعل صادر ہوتا

ان قوی دلائل کے باوجود، اگر پھر بھی کوئی بدنصیب اس الزام کی صحت پر اصرار کرتا ہے تو اس کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے۔ کہ آخر صفوان کے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مزعومہ تعلقات کب پیدا ہوئے؟ کیا اس رات جب یہ واقعہ پیش آیا؟ اس صورت میں غور کرنے کا مقام ہے کہ آخر صفوان کو ایسی جرأت کس طرح ہو سکتی تھی۔ جبکہ ام المومنین کے رعب و داب کا یہ عالم تھا کہ ہودج والے آواز دے کر یہ معلوم کرنے کی بھی جرأت نہ کر سکتے تھے کہ ام المومنین اندر ہیں یا نہیں آخر صفوان کے دل میں یہ خیال کیسے آ سکتا تھا کہ ام المومنین اپنے محبوب خاوند کی امانت میں خیانت کی مرتکب ہوں گی۔ پھر اگر صفوان نے اپنی ہوس رانی سے مغلوب ہو کر ایسی جرأت کر بھی لی تھی تو رسول اللہ کی بیوی اور صدیق کی بیٹی کے متعلق یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ ایک ایسے شخص کی ہوس رانی کا شکار بننے کے لئے تیار ہو گئی۔ جس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ تھا اور جو اتفاقاً اس کے پاس

پہنچ گیا تھا۔

اگر یہ مزعومہ تعلقات دیر سے تھے تو آخر سوکنوں، منافقوں اور حاسدین کی نظروں سے اتنا عرصہ کس طرح پوشیدہ رہے؟ اور صورت میں ان دونوں کے لئے کیا یہی راہ باقی رہ گئی تھی کہ وہ سفر کے دوران میں ایک دوسرے سے ملتے اور عین دوپہر کے وقت برملا لشکر میں داخل ہوتے؟

ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد ہم پھر اسی بات کو دہراتے ہیں کہ یہ الزام اس قدر بیہودہ، لغو اور بعید از عقل ہے کہ منافقین، موجودہ زمانے کے متعصب پادریوں اور ایسے غیر مسلم مؤرخین کے سوا جنہیں اسلام اور بانیٔ اسلام سے قلبی بغض ہے اور کوئی خردمند انسان ایک لمحہ کے لئے بھی اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ پادریوں، عیسائی مؤرخین اور مستشرقین کا حضرت عائشہ رض پر اعتراض کرنا اور بھی تعجب خیز ہے کیونکہ وہ بھی مریم ؑ اور مسیح ؑ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت مریم ؑ پر بھی اسی قسم کا بہتان لگ چکا ہے جیسا حضرت عائشہ پر لگا تھا۔

واقعہ افک پر مفصل بحث ہم نے اس لئے کی ہے کہ حضرت عائشہ رض کی زندگی کا یہ واقعہ تاریخ اسلام میں زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ اس واقعہ نے

آپ کے دل پر وہ اثر ڈالا جو تمام عمر دُور نہ ہو سکا۔ بعد میں جو واقعات و حوادث پیش آئے، ان میں بھی اس واقعہ کا اثر کسی حد تک کارفرما نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی مؤرخ اس پر سنجیدگی سے نظر بھی نہ ڈالتا۔ کیونکہ یہ الزام اس قابل ہی نہیں کہ کوئی سنجیدہ اور باشعور انسان اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی یقین کر سکے۔

بیوگی کا زمانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضؓ چھیالیس برس زندہ رہیں اور ستر سال کی عمر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہی کے حجرے میں، ان ہی کی باری والے دن اور عین اس جگہ دفن ہوئے، جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔

مرض کی شدت کے پیش نظر اکثر لوگوں کو یہ علم ہو چکا تھا کہ یہ حضور کی آخری بیماری ہے۔ لیکن وفات سے کچھ عرصہ قبل حضور کی طبیعت کسی حد تک سنبھل گئی تھی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضؓ اجازت لیکر اپنے گھر واقع سُنح چلے گئے اور دیگر مسلمان بھی مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر پہلے کسی کو سان و گمان بھی نہ تھا کہ حضور اس قدر جلد وفات پا جائیں گے۔

آپ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں :-
"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنبھالے بیٹھی تھی کہ یکایک مجھے حضور کا جسم بوجھل محسوس ہوا ۔ میں نے آپ کے چہرے کی طرف نظر کی تو دیکھا ۔ کہ حضور کی آنکھیں پھٹ گئی ہیں ۔ وفات کے وقت حضور کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے ۔
"بل الرفیق الاعلیٰ من الجنۃ" (اب تو بڑا رفیق ہی درکار ہے) یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ نے تو ہم سے کنارہ کشی ہی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو میں نے آہستہ سے آپ کا سر تکیہ پر رکھ دیا ۔ اُس وقت میری زبان سے بے اختیار جزع فزع کے کچھ الفاظ بھی نکل گئے ۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین دو روز تک نہ ہو سکی کیونکہ اس بات کا فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ آپ کے لئے قبر کھودی جائے یا لحد بنائی جائے اہلِ مکہ میں قبر کھودنے کا رواج تھا ، اور اہل مدینہ میں لحد بنانے کا ۔ دونوں فریق چاہتے تھے ۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے طریق پر دفن کریں ۔ بالآخر حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے ایک آدمی ابو عبیدہ بن جراح کے پاس اور ابو طلحہ کے پاس بھیجا ۔

ابوعبیدہ مکہ والوں کے طریق پہ قبر کھودتے تھے اور ابوطلحہ اہل مدینہ کی طرح لحد بناتے تھے۔ جو آدمی ابوطلحہ کو لینے کے لئے بھیجا گیا تھا وہ فوراً انہیں اپنے ساتھ لے کر آ گیا لیکن دوسرا آدمی جو ابوعبیدہ کی طرف بھیجا گیا تھا، وقت پر نہ پہنچا۔ چنانچہ ابوطلحہ نے مدینہ والے کے طریق پر لحد بنائی اور رات کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم کو ہمیشہ کے لئے خاک میں چھپا دیا گیا۔ حضرت عائشہ رض اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رات کے وقت جب ہمیں کدالوں کے چلنے کی آواز آئی، تب ہم نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاک دان فانی سے ملاء اعلیٰ کو روانہ ہو گئے، لیکن حضرت عائشہ رض نے اپنا وہ حجرہ چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جہاں انہوں نے اپنی زندگی کے بہترین دن گذارے تھے اور جہاں ان کا محبوب شوہر ابدی نیند سو رہا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاور بنی رہیں، حضور کے بعد ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق رض بھی اسی حجرے میں آپ کے پہلو بہ پہلو دفن ہوئے۔ اس دوران میں وہ بے حجابانہ وہاں آتی جاتی تھیں، لیکن تیرہ برس بعد جب حضرت عمر رض بھی اسی حجرے میں اپنے

دونوں ساتھیوں کے برابر میں دفن ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے وہاں بے پردہ جانا چھوڑ دیا۔ جب جاتیں تو نقاب پہن کر جاتیں۔

حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ قریباً دس سال گزارے اور تقریباً پچاس سال کا عرصہ آپ کی یاد میں بیوگی کی حالت میں بسر کیا اس دوران میں ایک ثانیہ کے لئے بھی ان کے دل میں دوسرا نکاح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حرمت کا پاس تھا اور جو عہد وفا انہوں نے آپ سے باندھا تھا، اسے توڑنے کا خیال کسی طرح ان کے دل میں پیدا نہ ہوسکتا تھا۔ ان امور کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بھی سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج کو دوسرا نکاح کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔

بیوگی کا طویل طویل زمانہ حضرت عائشہؓ نے فراغت کے عالم میں نہیں گزارا۔ ان کی سرشت ہی اس قسم کی تھی کہ وہ اپنے وقت کو بیکار ضائع نہیں کرسکتی تھیں۔ دس سال کے عرصہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے جو علم سیکھا تھا، اب اس سے کام لینے کا وقت آگیا تھا۔ چنانچہ فتنۂ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد جب مسلمانوں کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو انہوں

نے علوم دینیہ کی تحصیل کی طرف توجہ کی۔ چونکہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست امور دینیہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور ان سے بڑا مجتہد اور فقیہہ اس زمانے میں اور کوئی نہ تھا، اس لئے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔ دینی مسائل دریافت کرنے والوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے والوں کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس طرح حضرت عائشہؓ کے شب و روز لوگوں کو علوم دینیہ سے آگاہ کرنے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث سنانے میں صرف ہونے لگے۔ اس مفید اور ضروری کام سے جو وقت بچتا، وہ آپ تسبیح و تحمید اور عبادت و ریاضت میں گزار دیتیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت حضرت عائشہؓ نے بالکل اسی طرح گزارا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں گزارا کرتی تھیں۔ ان دونوں خلفاء کے عہد میں ان کے مرتبے میں ذرا فرق نہ آیا اور کسی بھی سیاسی یا ملکی کام میں انہیں دخل دینے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں حالات نے بالکل مختلف صورت اختیار کر لی۔ اور حالات کے اس تغیر نے حضرت عائشہؓ کے معمولات میں بھی تغیر پیدا کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں سیاست کی بنیاد سراسر احکام دین پر تھی اور آپ اور آپ کے ساتھی احکام دین سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عائشہؓ کے والد تھے۔ اس لئے انہیں سیاسی امور میں دخل اندازی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں اگرچہ سیاست کی گرم بازاری نے وسعت اختیار کر لی تھی، تاہم حالات خواہ کیسی بھی صورت اختیار کر جاتے لیکن ان کے بگڑنے کا خطرہ نہ تھا۔ کیونکہ لوگوں کے دلوں پر حضرت عمرؓ کی ہیبت طاری تھی اور وہ آپ کے آگے چوں بھی نہیں کر سکتے تھے! اس کے علاوہ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ان کے اور حضرت عائشہؓ کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دوستی نے ان کی اولاد پر بھی گہرا اثر ڈالا تھا اور حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سوتیں ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہنوں کی طرح محبت کرتی تھیں واقعہ افک کے موقعہ پر حضرت عمرؓ نے جو رویہ اختیار کیا تھا، اس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ ان کی بے حد ممنون تھیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کی رائے دریافت فرمائی تو انھوں نے جواب دیا۔

"یا رسول اللہ! آپ دونوں کی شادی اللہ تعالیٰ نے کرائی ہے۔ یہ کس طرح ہو

سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ آپ کو دھوکا دیتا اور ایک ایسی عورت سے آپ کی شادی کرا دیتا جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی۔"

اس کے بعد جب اُن کا اپنا زمانۂ خلافت آیا تب بھی انہوں نے حضرت عائشہؓ کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وظائف کی تقسیم میں آپ انہیں مقدم رکھتے اور ان کی ضروریات کا ہر طرح خیال رکھتے تھے۔

حضرت عائشہؓ پر حضرت عمرؓ کے حسن سلوک کا اس قدر اثر تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ "یا اللہ! عمر کے احسانات مجھ پر اتنے زیادہ ہو گئے ہیں ان کا بدلہ کسی صورت میں ادا نہیں کر سکتی، تو آئندہ مجھے ان احسانات کا بوجھ اُٹھانے کے لئے زندہ نہ رکھیو۔"

پس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں نہ تو حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا کہ حضرت عائشہؓ کو سیاست میں حصہ لینے کی ضرورت پیش آتی اور نہ ان کی روزمرہ کی زندگی میں کسی قسم کا تغیّر واقع ہوا، جس کے باعث ان کے لئے سیاسیات میں حصہ لینا ضروری ہو جاتا۔

البتہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں حالات یکسر مختلف ہو گئے اور حضرت عائشہؒ کے لئے سیاست میں حصہ لینا ضروری ہو گیا۔ اگر حالات میں تغیر واقع نہ ہوتا

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضؓ کبھی بھی سیاست میں حصہ نہ لیتیں اور اپنی تمام عمر سنت نبوی اور احکام دین کی تعلیم دینے میں گزار دیتیں۔

ملکی سیاست میں حضرت عائشہ رضؓ کا حصّہ

ہم نے پچھلی فصل میں بتایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عائشہ رضؓ کا کوئی لمحہ بیکار نہیں گذرا بلکہ وہ برابر امّت کی تعلیم وتلقین میں مصروف رہیں۔ اول تو ان کی طبیعت ہی اس قسم کی تھی کہ وہ بیکار بیٹھ ہی نہیں سکتی تھی۔ اور یہ چیز انہوں نے وراثۃً اپنے محترم والد سے حاصل دوسرے ان کی عظیم القدر شخصیت بھی اس امر کی متقاضی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی تعلیم وتربیت کا کام اپنے ہاتھ میں لیتیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہ کر انہوں نے دین کا جو علم حاصل کیا تھا۔ اس سے دوسرے لوگوں کو بھی آگاہ کرتیں اور تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے یہ عظیم دینی فریضہ بجد خوش اسلوبی سے ادا کیا۔

حضرت عائشہ رضؓ کو اللہ تعالیٰ نے جس بلند مرتبہ پر سرفراز فرمایا تھا اس کا تقاضا یہ بھی تھا کہ امت کے لوگوں میں ان کی وہی قدر و منزلت ہوتی جس کی مستحق تھیں ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے محبوب بیوی اور ام المومنین تھیں ۔ اس لحاظ سے ان کا مرتبہ عرب کے معزز ترین خاندان کے افراد سے بھی بلند تر تھا اور ان کا ادب و احترام ہر مسلمان پر فرض تھا ۔

اگر ارباب حل و عقد اس حقیقت کو اپنے پیش نظر رکھتے اور ان کے دلوں میں حضرت عائشہ رضؓ کا وہی ادب و احترام ہوتا جس کی ام المومنین قرار واقعی مستحق تھیں تو نہ صرف یہ کہ لوگوں کو اس ہستی سے فیضیاب ہونے کا موقعہ ملتا رہتا ۔ جس کے سینے میں اسرار نبوت پنہاں تھے ۔ اور جو مخزن علم نبوی تھی ، بلکہ وہ ناگوار واقعات بھی پیش نہ آتے جن کے باعث مسلمانوں کے درمیان تفرقہ کی ایک ناقابل عبور خلیج ہو گئی ۔

سیاست کا ایک زریں اصول یہ ہے کہ قوم کو اپنے محسنوں بے لوث خادموں اور بے غرض راہبروں کی قرار واقعی تعظیم و تکریم کرنی چاہیئے ۔ اور رعایا کے کسی فرد اور حکومت کے کسی رکن کی جانب سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیئے جس سے اس قابل احترام ہستی کی تنقیص اور تذلیل ہوتی ہو کیونکہ بے لوث کارکنوں

کی ذلت ان کی نہیں درا صل پوری قوم کی ذلت ہوتی ہے۔
سیاست کا یہی اصول یہاں بھی چسپاں ہوتا ہے۔ دانشمندی اور ہوشیاری کا تقاضا یہ تھا کہ کسی جانب سے بھی حضرت عائشہؓ کی توقیر اور احترام میں فرق نہ آنا چاہیئے تھا۔ وہ بدستور علم کے خزانے لوگوں کے سامنے لٹاتی رہتیں اور دستور اسلامی کی ترتیب میں ارباب حل و عقد ہاتھ بٹاتیں۔ لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ شیخین کے زمانے تک حضرت عائشہؓ کے رتبہ میں کوئی فرق نہ آیا لیکن بعد میں حالات پلٹ گئے اور ان کی زندگی ایک نئے دور میں داخل ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کے عمال کی بے تدبیری اور کم سوادی کے باعث حضرت عائشہؓ کو بہت سی مشکلات اور مصائب میں سے گزرنا پڑا۔ سب سے پہلا کام تو انہوں نے یہ کیا کہ اس وظیفہ میں کمی کر دی جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں انہیں ملا کرتا تھا۔ نہ معلوم ایسا کرنے میں انہوں نے کیا مصلحت سمجھی اور حکومت کی ایسی کونسی ضروریات تھیں جو حضرت عائشہؓ کے وظیفہ کی وجہ سے رکی ہوئی تھیں۔
اگر خزانہ میں مال و دولت کی کمی ہوتی یا ملکی ضروریات اس امر کی مقتضی

ہوتیں کہ وظائف اور عطیات میں کمی کر دی جائے۔ تب ایسا کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ اور اس صورت میں حضرت عائشہؓ کو بھی کوئی اعتراض پیدا نہ ہوتا۔ لیکن معاملہ اس کے برعکس تھا خزانہ درہم و دینار سے پُر تھا اور ہر چہار جانب سے مال و دولت کے انبار چلے آ رہے تھے۔ ڈھائی لاکھ دینار سالانہ صرف افریقہ سے وصول ہوتے تھے۔ اسی رقم سے دیگر علاقوں کے خراج کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ایسی صورت میں کہ خزانہ مال و دولت سے بھرپور ہو اور سلطنت کی آمدنی میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہو، اگر بغیر وجہ بتائے کسی کے وظیفہ سے کمی کر دی جائے تو اسے رنج ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کو بھی بالطبع اس کا رنج تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کو مال و دولت کی حرص تھی انہوں نے نہ کبھی مال و دولت جمع کیا اور نہ اس کی کوئی حقیقت سمجھی بسا اوقات ایسا ہوتا کہ ان کے پاس ماہانہ وظیفہ آتا اور وہ اسی وقت اُسے اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتیں اور اپنے لئے کچھ بچا کر نہ رکھتیں۔

مال و دولت کی محبت سے ان کا دل اس قدر سرد تھا۔ کہ وہ نہ صرف خود

ی جمع کرنے سے پرہیز کرتیں بلکہ صحابہ کو بھی نصیحت کرتی رہتی تھیں کہ خواہ تجارت
یا وراثت کے ذریعہ وہ کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہو جائیں لیکن مال و دولت
جمع کرنے سے احتراز کریں۔ چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ
مدینہ آیا۔ اس قافلہ میں سات سو اونٹ تھے جن پر گندم آٹا اور کھانے پینے
کی اشیاء لدی ہوئی تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا خیال تھا۔ کہ اسے بیچ کر
نفع حاصل کریں۔ لیکن جب حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے انہیں
بلا کر خفگی کا اظہار فرمایا۔ اور عبدالرحمٰنؓ نے فوراً اس تمام سامان
کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دینے کا اعلان کر دیا۔

پس حضرت عائشہؓ کی ناراضی کا سبب یہ نہ تھا کہ انہیں مال کی طرح اور
دولت جمع کرنے کی حرص تھی۔ بلکہ آپ کو رنج تھا تو یہ کہ زوجۂ رسول اللہ اور
ام المومنین ہونے کے لحاظ سے جو قدر و منزلت آپ کی ہونی چاہیئے تھی اس
میں بلا وجہ کمی آ گئی ہے۔

ادھر ملک کے طول و عرض میں حضرت عثمان کے مقرر کردہ والیوں کے

خلاف نفرت کا ایک بے پناہ جذبہ پھیل رہا تھا۔ بعض کے متعلق یہ شکایت تھی کہ انہیں دین سے ذرا بھی مس نہیں ہے اور بعض کے متعلق یہ کہا جا رہا تھا کہ ان کی ساری توجہ محض اپنے عیش و آرام کی طرف ہے اور رعایا کی فلاح و بہبود کا انہیں مطلق خیال نہیں۔ لوگ اپنے اپنے علاقوں کے والیوں کی شکایتیں لے کر مدینہ آتے اور خلیفہ کے علاوہ صحابہ کرام کے سامنے بھی اپنی تکالیف کا اظہار کرتے۔ چونکہ حضرت عائشہ رضؓ مدینہ کی معزز ترین شخصیت تھیں، اس لئے وہ لوگ آپ کے پاس بھی آتے اور اپنے والیوں کی شکایات بیان کرتے۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ لوگ حضرت عثمان رضؓ کے سوتیلے بھائی ولید بن عقبہ کی شکایت لے کر دربار خلافت میں حاضر ہوئے۔ ان لوگوں کی شکایت یہ تھی کہ ولید نے ایک مرتبہ شراب کے نشے میں لوگوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ اور نماز کے بعد ان سے کہنے لگا "اگر چاہو تو میں زیادہ رکعتیں بھی پڑھا سکتا ہوں کیونکہ آج میری حالت بہت نشاط انگیز ہے۔" لیکن حضرت

عثمانؓ کے مصاحبین اور صلاح کاروں نے ولید کے متعلق ان الزامات کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا "تمہاری یہ عادت بن گئی ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے حاکم سے ناراض ہوتا ہے تو جھٹ اس پر کوئی تہمت دھر دیتا ہے۔" یہ کہہ کر ان لوگوں کو وہاں سے نکال دیا۔

وہ لوگ وہاں سے حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور سارا ماجرا انہیں سنایا۔ انہوں نے انہیں تسلی تشفی دی اور اپنے گھر کے ایک حصے میں انہیں ٹھہرنے کے لئے جگہ بھی دے دی۔ صبح کے وقت جب حضرت عثمانؓ مسجد میں تشریف لائے تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں ان لوگوں کو بہت تند و تیز باتیں کرتے سنا۔ انہیں بے حد طیش آیا اور کہا: "عراق کے بے دین اور فاسق و فاجر لوگوں کو عائشہؓ کے گھر کے علاوہ اور کہیں پناہ نہیں ملتی؟"[1] حضرت عائشہؓ نے بھی ترکی بترکی جواب دیا۔ اور کہا: "عثمان! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کر دیا۔" جب لوگوں نے یہ شور و غوغا سنا

---

[1] یہ روایت اس شخص کے متعلق بیان کی جا رہی ہے۔ جس کی نرم دلی اور عفو و درگذر کی پالیسی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مفسدین اور فتنہ پردازوں

تو انہوں نے مسجد کا رُخ کیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں تمام مسجد بھر گئی بعض لوگ کہنے لگے "حضرت عائشہؓ نے جو کیا ٹھیک کیا"۔ لیکن بعض لوگوں کی یہ رائے تھی۔ کہ عورتوں کو ان معاملات میں دخل دینا نہیں چاہیئے"۔ اس بحث و مباحثہ نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ آپس میں تلخ کلامی تک نوبت پہنچ گئی آخر چند صحابہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے، اور انہوں نے زور دیا کہ وہ اپنے بھائی ولید کو معزول کر دیں ورنہ فتنہ بڑھ جائے گا۔

اہلِ عراق کی طرح اہل مصر بھی اپنے عامل عبداللہ بن ابی سرح کی شکایتیں

(بقیہ حاشیہ)
نے ایک عظیم بغاوت کھڑی کر دی اور خلیفۃ المسلمین کو بھی شہید کرنے سے دریغ نہ کیا۔ حضرت عثمانؓ تو وہ شخص تھے جنہوں نے جان دینی گوارا کر لی لیکن اپنی حمایت میں کسی شخص کو ہتھیار تک اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ یہ واقعات تاریخ کا ایک کھلا ورق ہیں۔ ان کی موجودگی میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس موقعہ پر وہ اتنے مغلوب الغضب ہو گئے کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی شان میں اتنے نازیبا الفاظ کہنے سے بھی دریغ نہ کیا، جن سے نہ صرف حضرت عائشہؓ کی حد درجہ توہین ہوتی تھی بلکہ خود ان کی سخت بدنامی تھی؟ (مترجم)

لے کر مدینہ آئے اور انہوں نے خلیفہ سے عرض کیا کہ عبداللہ نے ایک ایسے شخص کو قتل کرا دیا ہے جو آپ کے پاس اُس عبداللہ کی شکایت لے کر آیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے پاس سے یہ وفد حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور ان سے اپنی شکایتیں بیان کیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمانؓ کو کہلا بھیجا کہ صحابۂ رسول اللہؐ نے آپ سے منت عرض کیا تھا کہ آپ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر دیں لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ اب اس نے ایک بے گناہ آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ ان لوگوں کا انصاف کریں۔

مصر سے آئے ہوئے یہ لوگ نماز کے وقت نمازیوں کے سامنے اپنی شکایات پیش کرتے۔ ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا دکھڑا روتے اور کبار صحابہ کے پاس جا جا کر اپنے عامل کے حقیقی اور مفروضہ مظالم کی داستانیں سناتے۔ اس طرح مدینے میں ایک ہیجان برپا ہو گیا اور صحابہ نے حضرت عثمانؓ سے اصرار کیا کہ وہ عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے کسی اور شخص کو مصر کا والی بنا دیں۔ آخر حضرت عثمانؓ نے مصریوں کے مطالبے پر عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابوبکر کو مصر کا عامل نامزد کر دیا اور پروانۂ نامزدگی بھی اسے دے دیا۔ لیکن یہی نامزدگی اس عظیم حادثے کا سبب بن گئی جس کے نتیجے میں

حضرت عثمانؓ کی شہادت کا واقعہ ہائلہ پیش آیا۔

واقعہ اس طرح ہوا کہ جب اہل مصر مدینہ سے واپس جا رہے تھے تو انہیں راستے میں ایک غلام ملا۔ اس کی بعض حرکات سے انہیں شبہ پیدا ہوا اور انہوں نے اسے روک کر اس کی جامہ تلاشی لی۔ تلاشی لینے پر اس کے پاس سے ایک خط برآمد ہوا جس پر مہر خلافت ثبت تھی۔ یہ خط عامل مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا۔ اور اس میں یہ عبارت مرقوم تھی:۔

"جب محمد بن ابوبکر اور اس کے ساتھی تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں قتل کر ڈالنا اور جو پروانہ نامزدگی اس کے پاس ہے اسے منسوخ سمجھنا اور جب تک دربار خلافت سے تمہا... پاس واضح حکم نہ پہنچے بدستور اپنے عہدے پر کام کرتے رہنا"

اس خط کا بھید آج تک صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ اغلب گمان یہ ہے کہ یہ خط مروان بن حکم نے حضرت عثمان کے علم اور ان کی مرضی کے بغیر خود لکھ کر غلام کے ہاتھ عبداللہ کو بھجوا دیا۔[1]

---

[1] یہ درست نہیں۔ یہ خط فتنہ پردازوں کے ایک بہت بڑے سرغنہ عبداللہ بن سبا کی تراوش طبع کا نتیجہ تھا۔ اور اس کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے بھی جعلی خطوط بنا کر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کر چکا تھا۔
(مترجم)

بہر حال اس خط سے تمام صحابہ کبار، اور حضرت عائشہؓ کو سخت رنج پہنچا اور اس دن کے بعد سے فتنہ نے ایسی خطرناک صورت اختیار کر لی، جسے فرو کرنا حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کے بس کی بات نہ رہی۔

مندرجہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں نظام حکومت کی ابتری نے حضرت عائشہؓ کے لئے ایسی صورت حال پیدا کر دی تھی۔ کہ وہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانوں کی طرح اپنے آپ کو موجودہ سیاست سے ہم آہنگ نہ کر سکیں اور انہیں مجبوراً حضرت عثمانؓ، ان کے والیوں اور حاشیہ برداروں کے خلاف زبان کھولنی پڑی۔ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا حصہ حضرت عثمان کے ان نادان مشیروں اور صلاح کاروں کا تھا۔ جنہوں نے دانستہ یا نادانستہ حضرت عائشہؓ کو اس مقام سے گرانے کی کوشش کی جو انہیں امت میں حاصل تھا۔ یہی نہیں بلکہ باہر سے جو لوگ شکایتیں لے کر مدینہ آتے تھے، انہیں بزور حضرت عائشہؓ کے پاس جانے اور اپنی شکایتیں پیش کرنے سے روکا۔ لیکن سب سے بڑی قبیح حرکت انہوں نے اس سلسلہ میں یہ کی کہ بلا سوچے سمجھے ان کے بھائی کی جان لینے کی کوشش کی اور حاکم مصر کے نام

اس کے قتل کے احکام جاری کر دئیے۔

ہمیں کامل یقین ہے کہ حضرت عثمانؓ اس دسیسہ کاری سے بالکل بری تھے کیونکہ وہ نیکی اور پرہیزگاری کے اس بلند مقام پر تھے کہ ان سے کبھی اس قسم کی حرکت سرزد نہ ہو سکتی تھی۔ وہ شخص جو اپنی جان بچانے اور اس عظیم خطرے سے بچنے کے لئے جو اس کے گرد منڈلا رہا تھا، خون کا ایک قطرہ گرنے سے پرہیز کرتا ہے۔ اس کے متعلق یہ گمان کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے دوست اور پیارے ساتھی کے بیٹے کے قتل کا حکم دے گا جبکہ اس کا گناہ بھی اس سے زیادہ نہ تھا کہ اہل مصر نے عبداللہ بن ابی سرح کی بجائے اس کا نام ولایت مصر کے لئے پیش کیا تھا۔

نہ معلوم حضرت عثمانؓ کے حاشیہ برداروں نے محمد بن ابوبکر کو قتل کرانے میں کیا مصلحت سمجھی تھی اور ایسا غیر دانشمندانہ حکم انہوں نے کس فائدے کی خاطر دیا تھا۔ بہرحال اس سلوک کی موجودگی میں اگر حضرت عائشہؓ نے حضرت عثمان کے عمال اور کارندوں سے اپنی بیزاری اور حضرت عثمانؓ سے اپنی آزردگی کا اظہار کیا ہو تو تعجب نہیں چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ تقریر کر رہے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ نے ان کی آواز سنی تو ضبط

نہ کرسکیں اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص ہاتھ میں پکڑ کر کہا :۔

"اے لوگو! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص ہے لیکن آج تک بوسیدہ نہیں ہوئی لیکن عثمان نے آپ کی سنت کو بوسیدہ اور کہنہ کر دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے حضرت عثمانؓ کے حاشیہ برداروں کا سلوک اسی طرح جاری رہا۔ آخر جب پانی حد سے گزر گیا تب انہیں ہوش آیا اور معلوم ہُوا کہ اب تک وہ کس ہولناک غلطی کے مرتکب ہوتے رہے تھے لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا؟

جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے گھر پانی لے جانا بالکل روک دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجۂ محترمہ اور حضرت عائشہؓ کی سوت حضرت ام حبیبہؓ ایک خچر پر پانی کی ایک مشک لے کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔ باغیوں نے آپ کو روک لیا اور پوچھا۔ "آپ کہاں جا رہی ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "عثمان کے پاس بنو امیہ کے یتیم اور بیواؤں کی بعض امانتیں ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ضائع نہ ہو جائیں میں ان کے متعلق دریافت کرنے جا رہی ہوں"۔ یہ سنکر باغیوں نے کہا "تم جھوٹ بولتی ہو (نعوذ باللہ) یہ کہہ کر انہوں نے تلوار سے خچر کی رسی کاٹ

دی۔ قریب تھا کہ وہ خچر سے گر کر اس کے پاؤں میں روندی جاتیں کہ بعض معزز لوگوں نے دوڑ کر انہیں پکڑ لیا اور ان کے گھر پہنچا دیا۔

اس خطرناک فتنے کے دوران میں حضرت عائشہؓ نے مدینہ میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے حج کی تیاری کی اور اپنے بھائی محمد بن ابو بکر کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا اس لئے وہ مجبوراً اکیلی ہی مدینہ سے مکہ روانہ ہو گئیں۔

اس وقت فتنہ کی اصل جڑ — مروان بن حکم — حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا "ام المومنین: اگر آپ اس وقت مدینہ نہ چھوڑتیں تو مناسب تھا فتنہ بڑھ رہا ہے اور عثمانؓ کی جان خطرے میں ہے اگر آپ یہاں رہیں تو ممکن ہے فتنہ کے سدّباب میں کچھ مدد مل سکے" لیکن حضرت عائشہؓ نے مدینہ میں ٹھہرنے سے معذوری ظاہر کی اور فرمایا:۔

لہ حضرت عائشہؓ کی اپنے بھائی کو مکہ لے جانے کی کوشش سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فتنہ کا زور کم کرنے کی کس درجہ خواہش مند تھیں محمد بن ابوبکر کا شمار فتنہ کے سرغنوں میں ہوتا تھا۔ اور اس کے مدینہ سے چلے جانے کا مطلب یہ تھا کہ باغی اپنے ایک سرکردہ رکن کی اعانت سے محروم رہ جاتے (مترجم)

"کیا تم چاہتے ہو کہ مجھ سے بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہ سے کیا گیا ایسی صورت میں مجھے تو کوئی بچانے والا بھی نہ ہوگا"

ایک اور روایت میں ہے کہ مروان کو اس نازک وقت میں فیاضی اور سخاوت کا خیال بھی آگیا۔ وہ حضرت عائشہؓ کے پاس گیا۔ اور ان سے مدینہ میں تعلیم دینے کی التجا کی۔ انہوں نے جواب دیا "میں حج کے لئے جا رہی ہوں اور تمام سامان تیار کر چکی ہوں" اس نے کہا "آپ اس کی فکر نہ کریں حج کی تیاری میں آپ نے جس قدر رقم خرچ کی ہے میں اس سے دگنی رقم آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا"

اس روایت کے بموجب حضرت عائشہؓ اس وقت اپنے آپ کو ضبط نہ کر سکیں اور انہوں نے کہا:۔

"تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہارے صاحب (حضرت عثمان) کے بارے میں شک میں ہوں۔ خدا کی قسم! میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ اگر مجھ میں طاقت ہو تو میں انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں"۔

اسی پر بس نہیں بلکہ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایات حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں تو یہاں تک آتا ہے

کہ حضرت عائشہ رض نے کہا:-

"نعثل (حضرت عثمان رض) کو قتل کر ڈالو کیونکہ وہ کفر کا مرتکب ہوا ہے"۔
نیز یہ کہ جو شخص بھی ان سے ملتا وہ اسے حضرت عثمان رض اور ان کے ساتھیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی ترغیب دیتی تھیں۔

لیکن یہ تمام روایات ناقابل اعتماد ہیں۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں حضرت عثمان رض کے کارکنوں کے طرزِ عمل سے شکایت تھی اور بس۔

اس فتنہ کے متعلق حضرت عائشہ رض سے جو روایات منسوب کی گئی ہیں وہ اکثر و بیشتر شک و شبہ سے خالی نہیں اور اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:-

حضرت علی رض نے اپنے عہد میں محمد بن ابو بکر کو مصر کا والی بنا کر بھیجا تھا مصر پہنچنے پر معاویہ رض کی فوجوں سے جنگ پیش آئی جس میں اسے شکست فاش اٹھانا پڑی۔ اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ بنو امیہ نے پہلے تو اس کے پاؤں پکڑ کر شہر میں گھسیٹا پھر خوب پیاسا رکھ کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو گدھے کی کھال میں سی کر آگ پر رکھ کر بھونا اور اس کی خون آلودہ قمیض حضرت عثمان رض کی بیوی حضرت نائلہ کے پاس بھیج دی اس واقعہ کے بعد جب

عید آئی تو معاویہ بن خدیج کی بہن نے ایک بھیڑ کا بچہ ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا اور ایک آدمی کے ہاتھ وہ بھنا ہوا گوشت حضرت عائشہؓ کی خدمت میں روانہ کیا ساتھ ہی یہ پیغام بھی بھیجا کہ آپ کے بھائی کو اسی طرح بھونا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عائشہؓ نے پھر کبھی بُھنا ہوا گوشت نہیں کھایا اور قسم کھالی کہ جب تک زندہ رہیں گی بھنے ہوئے گوشت کو ہاتھ تک نہ لگائیں گی۔

جب مسلمانوں کو محمد بن ابوبکر کے ساتھ بنو امیہ کے اس دردناک اور وحشیانہ سلوک کا علم ہوا تو ان کے دل جوش انتقام سے بھر گئے۔ اب ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا اور وہ نئے حاکموں کے ہاتھوں حضرت عائشہؓ کی مزید ذلت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ادھر بنو امیہ کو بھی ہوش آیا اور انہیں محسوس ہوا کہ ان کے بعض بیوقوف اور عقل و خرد سے عاری افراد کی کارستانیوں کے نتیجے میں حالات بگڑ چکے ہیں لیکن بہرحال بزرگوں کی عزت کا سوال تھا۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے اہل کاروں کے سلوک کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کیا کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ پھیلانے میں سب سے بڑا ہاتھ حضرت عائشہؓ کا تھا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے عجیب و غریب روایات گھڑ کر حضرت عائشہ کی طرف منسوب کر دیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ زمانے

کے مؤرخ کے لئے صحیح اور غلط روایات میں تمیز کرنا بیحد دشوار ہو گیا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کونسی روایت مبالغہ سے پاک ہے اور کونسی نہیں[1]۔

صرف بنو امیہ نے حضرت عائشہ رض کی جانب غلط اور من گھڑت روایات منسوب نہیں کیں بلکہ اس کام میں شیعہ حضرات بھی ان کے ساتھ ہیں اور بنو امیہ کی طرح انہوں نے بھی جعلی روایات گھڑ کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت عائشہ رض کو حضرت عثمان رض سے شدید عداوت تھی۔ وہ ہر قیمت پر ان کی حکومت کو ختم کرنا چاہتی تھیں اور فتنہ پھیلانے میں ان کا ہاتھ مصریوں اور عراقیوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔

البتہ ان روایات کے حضرت عائشہ رض کی طرف منسوب کرنے میں دونوں فریقوں کی اغراض علیحدہ علیحدہ تھیں۔ بنو امیہ تو حضرت عائشہ رض کو حضرت عثمان رض کا دشمن ثابت کر کے اپنے اس جرم کو دنیا کی نظروں میں ہلکا کرنے چاہتے تھے۔ جو انہوں نے حضرت عائشہ رض کے بھائی کا مثلہ کر کے انجام دیا تھا۔ اور جس کے باعث ہر چہار

---

[1] مصنف کتاب ہذا کے اس تجزیہ سے ان روایات کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے جو اس سے قبل حضرت عائشہ رض اور حضرت عثمان رض کے تعلقات کے بارے میں بیان ہو چکی ہیں۔ (مترجم)

جانب سے ان لعنتیں پڑ رہی تھیں اور شیعہ حضرات حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب کردہ ان روایات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کے سامنے عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کا جو مطالبہ کیا تھا وہ (نعوذ باللہ) فریب کاری اور بد دیانتی پر مبنی تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے قتل سے بالکل بری تھے اور ان کے قتل کی اصل ذمہ دار حضرت عائشہؓ تھیں جنہوں نے مفسدین کو شہ دے کر یہ فتنہ کھڑا کیا تھا۔

مذکورہ روایات قاتلین عثمان کے لئے بھی بید مفید تھیں کیونکہ ان کی روشنی میں ان کا جرم بہت ہلکا نظر آتا تھا اور وہ لائق تعزیر نہیں ٹھہرتے تھے۔

ان واقعات سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کن اسباب کی بنا پر ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ جہاں تک حضرت عثمانؓ کے دور سیاست کا تعلق ہے، یہ بات بلا شک و شبہ کہی جا سکتی ہے کہ اس میں حضرت عائشہؓ کو نامساعد حالات کی بنا پر مجبوراً حصہ لینا پڑا۔ تاہم حضرت علیؓ کے عہد میں یہ بات نہیں ہوئی اور اس دور کی سیاست میں انہوں نے اپنی مرضی سے قدم رکھا۔

حضرت علیؓ کی ابتدائے خلافت ہی سے ان کے اور حضرت عائشہؓ کے

درمیان اختلاف پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور انہی اختلافات نے آگے چل کر جنگ وجدل کی صورت اختیار کر لی۔ اسی ذیل میں یہ دردناک واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ بعض لوگوں نے جنہیں خود خلافت کی خواہش تھی[ل] حضرت عائشہ کی وجاہت اور مرتبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا اور حضرت علیؓ کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ حالانکہ ان کے لئے ایسا کرنا قطعاً مناسب نہ تھا۔ ام المومنین کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ انہیں اس طرح کے سیاسی جھگڑوں میں گھسیٹ کر ان کی قدر ومنزلت کو گھٹانے کی کوشش کی جاتی، ام المومنین ہر دو فریق کے نزدیک محترم تھیں اور ان کے احترام کا تقاضا یہ تھا کہ انہیں سیاسیات کی دلدل سے بالکل علیحدہ رکھا جاتا۔ چنانچہ جب طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت عائشہؓ کو ہمراہ لیکر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے تو قبیلہ سعد کے ایک شخص نے ان پر یہی اعتراض کیا اس نے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

[ل] تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ کسی مرحلے پر بھی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنے لئے خلافت کی خواہش کی ہو انہوں نے قاتلین عثمان سے انتقام لینے کا مطالبہ تو بے شک کیا لیکن خلافت کا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ (مترجم)

"اے زبیرؓ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری ہو اور اے طلحہؓ! تم نے رسول اللہ کی حفاظت کی خاطر اپنے ہاتھوں پر تیر کھائے ہیں۔ تم نے ام المومنین کو تو اپنے ساتھ لے لیا ہے لیکن یہ تو بتاؤ تم اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے ہو؟ تم نے اپنی عورتوں کی عزت کا تو خیال کیا لیکن ام المومنین کی عزت و حرمت اور ناموس کا خیال نہ کیا"۔

بنو سعد کے اس نوجوان کا اعتراض بالکل درست تھا۔ طلحہؓ اور زبیرؓ کو حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت عائشہؓ کو اپنا ہم خیال بنا لینے کا حق تو حاصل تھا۔ لیکن انہیں میدان جنگ میں لے جانے اور مخالفین کے ہاتھوں ان کی بے حرمتی کرانے کا اختیار کسی صورت میں حاصل نہ تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جن دنوں حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا تھی، حضرت عائشہؓ حج کے لئے مکہ چلی گئی تھیں۔ قیام مکہ کے دوران میں حضرت ابن عباسؓ بھی حضرت عثمانؓ کا ایک پیغام لے کر وہاں پہنچے۔ اس پیغام میں حضرت عثمانؓ نے باغیوں کی شوریدہ سری کا ذکر کر کے حجاج کو اپنی مدد کی دعوت دی تھی، مکہ پہنچ کر ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ سے بھی ملے۔ بعض روایات کے بموجب حضرت عائشہؓ نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کو عثمان کی مدد پر آمادہ کرنے کی بجائے ان کی مخالفت پر ابھارو۔

اور اس طرح طلحہ بن علیہ اللہ کی خلافت کے لئے راہ ہموار کر دو[1]۔ کیونکہ ان کی امانت و دیانت ضرب المثل ہے اگر انہیں خلافت مل گئی تو وہ اپنے بھتیجے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا "ام المومنین! اگر عثمان رضی اللہ عنہ خلافت سے ہٹا بھی دیئے گئے۔ تو بھی آپ کی امید بر نہیں آئے گی کیونکہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی شخص کو خلیفہ بنانے پر آمادہ نہیں ہوں گے"۔

حضرت عائشہ نے کہا "اچھا تم چلے جاؤ۔ میں تم سے بحث و مباحثہ کرنا نہیں

---

[1] یہ روایت بے اصل ہے کیونکہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کئی موقعوں پر یہ روایت بیان کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان سے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا۔ لوگ اس قمیص کو اتارنا چاہیں گے۔ مگر تم اسے ہرگز نہ اتارنا" اس حدیث کی موجودگی میں، جس کی راوی خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ ام المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف برانگیختہ کیا اور انہیں معزول کرنے کی جد و جہد کی۔ (مترجم)

چاہتی ہے"۔

اسی دوران میں مدینہ کی تشویشناک صورت حال کی خبریں مکہ میں بھی پہنچنی شروع ہوئیں۔ حضرت عائشہؓ نے اصلاح احوال کی خاطر مدینہ واپس جانے کا ارادہ کیا۔ ابھی وہ راستے ہی میں تھیں کہ انہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت کی خبریں معلوم ہوئیں اور یہ بھی پتہ چلا کہ مدینے پر باغیوں کا مکمل قبضہ اور عمل دخل ہے اور کوئی شخص ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے اپنے ساتھیوں کو فی الفور مکہ واپس ہونے کا حکم دے دیا۔ راستہ میں جو لوگ انہیں ملتے، ان کے سامنے وہ دردناک الفاظ میں شہادت عثمان کا ذکر کرتیں اور اس خونِ ناحق کا انتقام لینے پر آمادہ کرتیں۔ یہ دیکھ کر عبید بن ابی سلمہ نے، جو ننھیال کی طرف سے ان کے رشتہ دار تھے کہا :۔

"ام المومنین! یہ کیا؟ عثمان کے خلاف سب سے پہلی آواز آپ ہی نے اٹھائی اور اب آپ ہی سب سے پہلے ان کے خون کا بدلہ لینے کا مطالبہ کر رہی ہیں"۔

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا :۔

"یہ درست ہے کہ میں نے عثمان کے خلاف بہت کچھ کہا۔ لیکن اب جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ پہلی باتوں سے بہتر ہے[1]"

(حاشیہ نوٹ اگلے صفحہ پر)

مدینہ تو مکمل طور پر باغیوں اور قاتلین عثمان کے قبضہ میں تھا۔ لیکن مکہ فی الحال ان کے اثر سے آزاد تھا اس لئے حضرت علیؓ کے مخالفین ہر چہار طرف سے آ آ کر مکہ میں جمع ہونے لگے۔ ان میں بنو امیہ بھی تھے، جن کی قوت و طاقت حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ختم ہو چکی تھی، حضرت عثمان کے مقرر کردہ والی بھی تھے، جن کی حکومت حضرت علیؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے باعث خطرے میں پڑ گئی تھی اور حکومت کے وہ کارندے بھی تھے جنہیں اپنی سابقہ بے عنوانیوں کے محاسبہ کا خوف لاحق تھا۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر ان کے سامنے

لے سیاست میں اس چیز کو موقعہ پرستی کہا جاتا ہے ایک دنیاوی انسان اسے اپنے لئے خواہ کتنا ہی مفید کیوں نہ خیال کرے لیکن ام المومنین کے کسی طرح شایان شان نہیں تھا۔ کہ وہ اس طرح موقعہ پرستی سے کام لیتیں۔ حضرت عائشہؓ جیسی زیرک اور فہمیدہ خاتون اپنے مقام سے خوب آگاہ تھیں۔ ان کے متعلق یہ گمان کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایسی باتیں اپنے منہ سے نکالی ہوں گی جن کے باعث ان پر موقعہ پرستی کا الزام لگ سکے۔ لہٰذا عقلاً بھی اس قسم کی روایات قابل اعتماد نہیں۔ (مترجم)

حضرت عثمان رضؓ کا انتقام لینے کا مطالبہ پیش کر دیا اور سب لوگوں نے بالاتفاق رائے اس مطالبے کی تائید کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضؓ اور طلحہ رضؓ و زبیر کو اپنا راہبر بنا لیا۔ چنانچہ ان تینوں کی قیادت میں ایک لشکر کی تشکیل شروع ہوئی۔ جس کا مقصد قاتلین عثمان سے انتقام لینا تھا۔

حضرت عائشہ رضؓ نے ان لوگوں کی راہبری قبول تو کر لی تھی لیکن حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طبعاً اُسے کراہت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں انہوں نے لشکر کی قیادت محض اس لئے قبول کی کہ ہر شخص ان کی آواز پر لبیک کہہ کر حضرت عثمان رضؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے بے چین نظر آتا تھا اور اس غرض کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھا۔ گمان غالب یہی ہے کہ اگر لوگوں میں کامل اتفاق رائے نہ ہوتا اور انتقام عثمان کے مطالبے سے متاثر ہو کر وہ ایک جھنڈے تلے جمع نہ ہوتے تو حضرت عائشہ رضؓ نہ ان کی قیادت قبول کرنے کو تیار ہوتیں اور نہ لشکر کو لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہوتیں۔ راستے میں بھی ایسے واقعات پیش آتے رہے جن کی بناء پر وہ آگے بڑھنے سے ہچکچاتی رہیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا واقعہ جو پیش آیا، اس نے تو ان کے دل پر اتنا زبردست اثر کیا کہ انہوں نے فوراً ہی واپسی کا ارادہ کر لیا اور اگر لشکر والے بعض

جیلوں کے ذریعہ انہیں روکنے میں کامیاب نہ ہو جاتے تو یقیناً جنگ جمل جیسے ناگوار اور افسوسناک واقعات کبھی پیش نہ آتے۔

مذکورہ بالا واقعہ کی تفصیلات اس طرح ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر کوچ کرتا ہوا جب حواب کے چشمہ پر پہنچا تو کتے بھونکنے لگے۔ انہوں نے راہبر سے پوچھا "یہ کونسا چشمہ ہے؟" اس نے جواب دیا" یہ حواب کا چشمہ ہے"۔ یہ سنتے ہی وہ چونک پڑیں اور کہنے لگیں" انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے درمیان تشریف فرما تھے۔ کہ حضور نے فرمایا" نہ معلوم تم میں سے کس پر حواب کے کتے بھونکیں گے"؟ یہ کہہ کر اپنے اونٹ کو بٹھا دیا اور کہنے لگیں"۔ مجھے واپس جانے دو۔ افسوس! میں ہی حضور کی وہ بیوی ہوں جس کے لئے حواب کے کتوں کا بھونکنا مقدر ہو چکا تھا۔"

ایک دن ایک رات حضرت عائشہؓ وہاں مقیم رہیں اور ہٹنے کا نام نہ لیا۔ آخر لشکر والوں نے پچاس بدوؤں کو رشوت دے کر حضرت عائشہؓ کے سامنے یہ گواہی دینے پر آمادہ کیا کہ حواب کا چشمہ تو پیچھے گزر چکا ہے اسی دوران میں طے شدہ سکیم کے مطابق بعض لوگوں نے چلانا شروع کر دیا" اپنے بچاؤ کا سامان

کر لو۔ علی بن ابی طالب کا لشکر تمہاری گھات میں ہے اور وہ تم پر حملہ کرنے ہی والا ہے۔"

آخر بڑی مشکل سے حضرت عائشہؓ نے لشکر کو آگے بڑھنے کی اجازت دی۔

اسی واقعہ پر بس نہیں، جنگ جمل کے واقعات کے ضمن میں ہمیں ایک بھی ثبوت ایسا نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ حضرت عائشہؓ کا ارادہ حضرت علی کی فوج سے جنگ کرنے کا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ باہمی گفت و شنید سے تمام معاملات بحسن و خوبی انجام پا جائیں۔ جنگ کا تو انہیں واہمہ بھی نہ تھا اور اُسے وہ بالکل بعید از قیاس سمجھتی تھیں۔ اس کا ثبوت اس گفتگو سے ملتا ہے جو عامل بصرہ کے ایلچی ابوالأسود دُئلی اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ہوئی۔ جب ابوالأسود دُئلی ان کے پاس آئے تو حضرت عائشہؓ نے ان سے پوچھا۔

"ابوالاسود! کیا یہ بات ممکن ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص مجھ سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں آئے؟"

ابوالاسود حضرت علیؓ کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔ انہوں نے جوش میں آکر کہا:۔

"خدا کی قسم! آپ کو اتنی شدید جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا جس کا تصور بھی

آپ نہیں کرسکتیں"۔

کئی دن اسی تردد میں گزر گئے۔ حضرت عائشہ رض اپنی فوج کے ہمراہ بصرہ سے باہر مربد مقام پر خیمہ زن تھیں۔ بصرہ کے عامل عثمان بن حنیف نے کئی بار حضرت عائشہ رض پر حملہ کرنا چاہا لیکن آپ نے سمجھا بجھا کر اسے لڑائی سے باز رکھا اور اصلاح احوال کی خاطر اپنی فوجیں مربد سے ہٹا کر دارالرزق لے گئیں۔ لیکن عثمان بن حنیف کو اپنے ارمان نکالنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن اس نے سمجھانے بجھانے کے باوجود حضرت عائشہ رض کے لشکر پر حملہ کر ہی دیا۔ جو دارالرزق میں ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ سارا دن لڑائی جاری رہی۔ جس میں فریقین کے چھ سو آدمی کام آئے اور بیشمار زخمی ہوئے۔ رات ہونے پر حضرت عائشہ رض نے اپنے آدمیوں کو لڑائی بند کرنے کا حکم دیا اور اپنے کیمپ میں واپس چلی آئیں۔

دریں اثناء حضرت علی رض نے اپنے ایلچی قعقاع بن عمر کو طلحہ رض، زبیر رض اور حضرت عائشہ رض سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ سب سے پہلے حضرت عائشہ رض کے پاس پہنچے اور کہنے لگے۔

"اُم المومنین۔ آپ کس غرض کے لئے یہاں تشریف لائی ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:۔

"بیٹے! امت کی اصلاح کی خاطر"

قعقاع نے کہا:۔

"اچھا ذرا طلحہ اور زبیر کو بھی بلا لیجئے وہ بھی آکر ہماری باتیں سن لیں" چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان دونوں کو بلا بھیجا، قعقاع نے ان سے کہا:۔

"میں نے ام المومنین سے پوچھا تھا کہ وہ کس غرض کے لئے یہاں تشریف لائی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا "امت کی اصلاح کی خاطر" تم دونوں اس کے متعلق کیا کہتے ہو۔ تمہاری بھی وہی رائے ہے جو ام المومنین کی ہے؟"

ان دونوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا:۔

"ام المومنین درست فرماتی ہیں۔ ہم واقعی اصلاح کی خاطر یہاں آئے ہیں"۔

قعقاع نے کہا:۔

"اس مطالبے کو پورا کرنے کی خاطر بصرہ کی لڑائی میں چھ سو آدمی مارے گئے لیکن اس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے چھ ہزار آدمی تمہارا ساتھ چھوڑ کر فریق مخالف سے جا ملے۔ تم نے حرقوص بن زہیر کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن اس کی حمایت میں چھ ہزار آدمی تمہارے مقابل پر نکل آئے۔ اگر تم انہیں چھوڑ دیتے ہو تو اپنے قول کے مطابق احکام قرآنی کے تارک بنتے ہو۔ لیکن اگر ان سے اور اپنا ساتھ چھوڑ

جانے والے لوگوں سے جنگ کرتے ہو تو اس کی تم میں طاقت نہیں۔ وہ بہت آسانی سے تمہیں شکست دے کر تمہارا شیرازہ منتشر کر دیں گے"۔

قعقاع کی یہ باتیں سن کر حضرت عائشہؓ نے پوچھا:۔

"تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟"۔

قعقاع نے جواب دیا:۔

" اس صورتِ حال کا مداوا جنگ و جدل کے ذریعہ نہیں بلکہ پر سکون ماحول پیدا کر کے ہی کیا جا سکتا ہے۔ آپ لوگ علیؓ کی بیعت کر لیں تو اُمت کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ رہے گا۔ اور ہم متحد ہو کر بآسانی عثمانؓ کے قاتلین سے بدلے سکیں گے۔ لیکن اگر آپ لوگوں نے افتراق کی پالیسی پر عمل کیا۔ تو مسلمانوں کا باہمی اتحاد مفقود ہو جائے گا اور یہ امر تمام بہی خواہانِ اُمت کے لئے سخت صدمہ کا باعث ہوگا۔ مسلمانوں کی جمعیت کمزور ہو جائے گی اور عثمانؓ کا انتقام بھی نہ لیا جا سکے گا۔ اس لئے آپ لوگ سنجیدگی اور سکون سے تمام صورتِ حال کا جائزہ لیں، جنگ و جدل کی بجائے امن و عافیت کو ترجیح دیں۔ اور اور بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنانے کی بجائے ان میں محبت اور پیار پیدا کر کے انہیں قریب لانے کی کوشش کریں، یاد رکھئے اگر مسلمانوں میں

انتشار پیدا ہو گیا تو یہ امر صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ آپ کے لئے بھی تباہ کن ثابت ہو گا۔"

یہ سن کر طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ اور عائشہ رضؓ تینوں نے یک زبان ہو کر کہا:۔

" تمہاری رائے بالکل درست ہے۔ تم علی رضؓ کے پاس جاؤ۔ اگر ان کی رائے بھی تمہاری رائے کے موافق ہوئی تو معاملہ بآسانی سلجھ جائے گا۔"

چنانچہ قعقاع کوفہ پہنچے اور ان باتوں کی اطلاع حضرت علی رضؓ کو دی وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے ایلچی کے ہاتھ ان تینوں کو کہلا بھیجا کہ میں قعقاع کی باتوں سے بالکل متفق ہوں۔ چنانچہ صلح کی بات چیت ہونے لگی، لیکن بدقسمتی سے حضرت علی رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ دونوں کے لشکروں میں ایسے مفسدین کی کمی نہ تھی جو صلح کی بات چیت کو پروان چڑھتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ صلح ان کے لئے پیغام موت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے مخصوص حیلوں سے کام لیکر صورت حال کو اتنا بگاڑ دیا کہ وہ حضرت علی رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ دونوں کے قابو سے باہر ہو گئی اور دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

تاہم صلح کی امید بکلی منقطع نہیں ہوئی۔ حضرت عائشہ رضؓ تو ابتدا ہی سے صلح

کی خواہش مند تھیں۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی غور و فکر کے بعد یہی رائے قائم کی کہ وہ غلطی پر ہیں۔ اور انہیں کسی طرح بھی حضرت علیؓ سے جنگ نہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ ایک دن حضرت زبیرؓ نے حضرت عائشہؓ سے صاف صاف کہہ دیا کہ غور و فکر کے بعد میں تو اس رائے پر پہنچا ہوں کہ ہم سراسر غلطی پر ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا پھر تم کیا چاہتے ہو؟" انہوں نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ لشکر سے علیحدہ ہو کر واپس چلا جاؤں"۔

بسا اوقات فریقین کے دردمند لوگ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کو نصیحتیں کرتے اور جنگ و جدل کے خوفناک نتائج سے ڈراتے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے لشکر سے باہر آئے اور انہوں نے زبیرؓ کو آواز دے کر کہا :-

"اے زبیر! تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم واپس چلے جاؤ"۔

زبیرؓ نے جواب دیا :-

"اب میں کس طرح واپس جا سکتا ہوں؟ تم دیکھتے نہیں دونوں فریق کس طرح کیل کانٹے سے لیس تیار کھڑے ہیں۔ اس حالت میں اگر میں پیٹھ دکھاؤں گا تو کلنک کا ٹیکہ ساری عمر میرے ماتھے پر لگا رہے گا۔ میں یہ ذلت کس طرح برداشت کر سکتا ہوں؟"

حضرت علی نے کہا:۔

"اس دنیا کی ذلت و رسوائی، آخرت کی ذلت و رسوائی اور دوزخ سے بدرجہا بہتر ہے۔"

حضرت علیؓ کی اس نصیحت نے حضرت زبیرؓ کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ فوراً واپس جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب ان کے لڑکے عبداللہ کو اپنے والد کے اس ارادے کا علم ہوا تو وہ ان کے پاس گئے اور مختلف طریقوں سے انہیں روکنے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن حضرت زبیرؓ نے صاف کہہ دیا کہ میں نے قسم کھالی ہے۔ کہ علیؓ سے کبھی نہ لڑوں گا۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا: "آپ اپنی قسم کا کفارہ دے دیجئے اور جنگ کیجئے۔"

ابھی باہم صلاح و مشورہ جاری تھا کہ کعب بن سور حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا:۔

"علیؓ کی فوج نے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ آپ اپنے ہودج پر سوار ہو کر چلئے۔ شاید آپ کی وجہ سے جنگ رک جائے اور باہم صلح ہو جائے۔"

چنانچہ حضرت عائشہؓ اپنے ہودج پر سوار ہوئیں اور اُسے چاروں طرف سے زرہوں سے ڈھانپ دیا گیا۔ وہ حضرت علیؓ کے لشکر کی طرف جانے کی کوشش

کرہی رہی تھیں کہ شور وغل کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا "یہ شور وغل کیسا ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ علیؓ کے لشکر نے ہمارے لشکر پر حملہ کر دیا ہے۔ انہوں نے بھی مجبوراً مقابلہ کرنے کا حکم دے دیا۔ دونوں فریق بڑھ بڑھ کر داد شجاعت دینے لگے اور صلح کی کوششیں بالکل اکارت چلی گئیں۔

جملہ واقعات پر ایک نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ جمل کسی معین مقصد اور مخصوص نظریے کو سامنے رکھ کر نہیں لڑی گئی۔ اور نہ اس جنگ کے ذمہ دار اصحاب کے سامنے کوئی قدر مشترک تھی۔ اس وقت عالم اسلام میں صرف دو منظم فریق تھے۔ ایک حضرت علیؓ کا اور دوسرا حضرت معاویہؓ کا۔ لیکن جنگ جمل میں حضرت علیؓ کے حزب مخالف کا قطعاً یہ مقصد نہ تھا کہ علی بن ابی طالب کی قوت کو منتشر کر کے معاویہ بن ابی سفیان کو تقویت پہنچائی جائے۔ کیونکہ طلحہؓ اور زبیرؓ میں سے کوئی بھی نہ حضرت معاویہؓ کے کسی لشکر کا سپہ سالار تھا اور ان کے زیرنگیں علاقوں میں سے کسی علاقے کا حاکم، معاویہؓ کا خیر ذکر ہی کیا ہے، آپس میں بھی یہ لوگ کسی ایک شخص کی ولایت پر متفق نہ تھے اور اگر حضرت علیؓ کو شکست ہو جاتی۔ تو یقیناً ان دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کو اپنا حاکم تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوتا۔

دراصل یہ دونوں اصحاب اپنے لئے ولایت کے خواہاں تھے اور چاہتے

تھے کہ حضرت علیؓ ان سے مشورہ لئے بغیر کوئی کام نہ کریں لیکن حضرت علیؓ نے ان کی خواہشات کو پورا کرنے اور ان کے مشوروں پر عمل کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ اس پر یہ لوگ مایوس ہو کر مدینہ سے چلے آئے اور مکہ آکر علم اصلاح بلند کر دیا۔ فوج کشی سے ان کا مقصد صرف حضرت علیؓ پر زور ڈال کر اپنے لئے عراق اور یمن کی ولایتیں حاصل کرنا اور خلیفہ کو اپنے مشوروں کا پابند بنا کر مجلس شوریٰ میں اہم مقام حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ ان خواہشات کا اظہار وہ مدینہ میں حضرت علیؓ کے سامنے کر چکے تھے۔

جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی شرکت کی وجہ تو ہماری سمجھ میں یہی آتی ہے جس کا اظہار ہم نے سطور مندرجہ بالا میں کر دیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ علوی سیاست میں دخل اندازی اور اس جنگ میں ان کی شرکت کا باعث وہ پرانی رنجش تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلی آ رہی تھی، ممکن تھا کہ یہ رنجش دل کی دل ہی میں رہتی اور اس کے اظہار کا موقعہ نہ آتا لیکن حضرت علیؓ کی خلافت سے قبل اور بعد جو واقعات پیش آئے اور جس طرح مدینہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ بنا جس بیدردی اور شقاوت قلبی کے ساتھ مظلوم خلیفۂ ثالث کا خون حرم نبوی میں بہایا گیا اور پھر جس طرح باغیوں

سے نے بزعم خود ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن کر اپنی من مانی شروع کر دی - - - - - - - - - - اس سے تمام ملک میں زبردست ہیجان برپا ہو گیا اور ہر طرف سے مظلوم خلیفہ کا انتقام لینے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس مطالبہ نے اتنی شدت اختیار کی کہ حضرت عائشہ رضؓ کو بھی اس کی تائید کرنی اور لشکر کی قیادت قبول کرنی پڑی۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت حضرت عائشہ رضؓ کے تحت الشعور میں وہ واقعات بھی پنہاں تھے۔

واقعہ افک کا ذکر کرتے ہوئے ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ کے متعلق حضرت علیؓ کی رائے دریافت فرمائی تو انہوں نے کہا کہ آپ کو فکر اور تردد کی ضرورت نہیں ہے۔ عائشہ رضؓ کے علاوہ اور بھی عورتیں موجود ہیں۔ آپ انہیں طلاق دے کر ان میں سے کسی سے نکاح کر لیجئے۔

اس مشورہ پر حضرت عائشہ رضؓ کو جس قدر بھی رنج ہوتا کم تھا اور حضرت علیؓ کے لئے قطعاً مناسب نہ تھا۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا مشورہ دیتے۔ یہ بات انصاف سے بعید تر تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محض ایک

ایسے شبہ کی بناء پر عائشہ رضؓ کو طلاق دے دیتے جو بدباطن منافقین نے حضور اور آپ کے صحابہ کے درمیان پھوٹ اور رنجش ڈلوانے کے لئے پیدا کرنا چاہا تھا۔ انہیں طلاق دینے سے بجا طور پہ یہی سمجھا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کیرکٹر کو (نعوذ باللہ) مشکوک پا کر انہیں اپنے سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اس صورت میں بدنامی صرف حضرت عائشہ رضؓ کی نہ ہوتی بلکہ اس کی لپیٹ میں ان کے والد محترم اور خاندان کے تمام افراد بھی آ جاتے اور رسوائی کا یہ داغ قیامت تک کے لئے ان سے جدا نہ ہوتا۔ معاملہ یہیں تک محدود نہ رہتا بلکہ منافقین کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر حملہ کرنے کے لئے بھی راستہ کھل جاتا، اور یہ بدباطن گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ہی میں ایک عظیم الشان فتنہ پیدا کرنے اور کمزور ایمان والے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ تعجب ہے حضرت علیؓ کی نظروں سے یہ تمام باتیں کس طرح پوشیدہ ہو گئیں اور انہوں نے انتہائی زیرک ہونے کے باوجود ایسا مشورہ کس طرح دے دیا جو انصاف اور مصلحت کے سراسر خلاف تھا۔ یہ درست ہے کہ انہوں نے یہ مشورہ محض اس لئے دیا کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا بےحد پاس تھا۔ اور اس پر

حرف آنا ان کے لئے قطعاً ناقابل برداشت تھا۔ پھر بھی تحقیقات مکمل ہو جانے تک انہیں اس قسم کے الفاظ زبان سے نہ نکالنے چاہئیں تھے۔

اس کے باوجود حضرت عائشہ رض نے جنگ جمل کے موقعہ پر جو موقف اختیار کیا۔ ہم اس کی تائید نہیں کر سکتے۔ یقیناً حضرت علی رض نے حضرت عائشہ رض کو طلاق دینے کا مشورہ دے کر غلطی کی لیکن دوسری جانب حضرت عائشہ رض نے اس رنجش کے باعث حضرت علی رض کا مقابلہ کرنے میں بھی سخت غلطی کی۔

تاہم اس موقعہ پر اس امر کا اظہار کر دینا ضروری ہے۔ کہ بعد میں حضرت عائشہ رض کو اس فعل پر سخت ندامت ہوئی۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں "کاش میں جنگ جمل سے پہلے ہی مر جاتی"۔ "کاش میرے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بچے ہوتے اور وہ سب کے سب مر جاتے لیکن جنگ جمل کا واقعہ پیش نہ آتا" جب کبھی جنگ جمل کا ذکر آتا، روتے روتے اُن کی ہچکی بندھ جاتی اور ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔

اسی ذیل میں ایک اور امر بھی قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ انھوں نے مخالفت کے باوجود حضرت علی رض کے حق میں کبھی کوئی نازیبا لفظ منہ سے نہ نکالا۔ بنو امیہ کھلم کھلا حضرت علی رض پر قتل عثمان کا الزام لگاتے تھے، لیکن حضرت عائشہ رض نے

ان پر کبھی اس قسم کا کوئی الزام نہ لگایا۔ بلکہ ہمیشہ ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ و طہارت کی تعریف ہی کی بسا اوقات یہاں تک کہہ دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

بیشک انہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا۔ لیکن اپنی طرف سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی جو فتنہ و فساد کو مزید بھڑکانے والی ہوتی ان کا ارادہ حضرت علیؓ اور ان کی فوجوں سے جنگ کرنے کا ہرگز نہ تھا۔ اور حضرت علیؓ کی طرف سے خیر سگالی کے جذبات کا اظہار ہوتے پر انہوں نے اپنی طرف سے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن بعض مفسد اور فتنہ پرداز لوگوں کی کوششوں کی بدولت صلح کی یہ بات چیت پروان نہ چڑھ سکی اور حضرت عائشہؓ کی توقعات کے بالکل برعکس جنگ جمل کا واقعہ پیش آیا۔

یہ واقعہ اسلامی تاریخ کے دردناک واقعات میں سے ایک ہے

اور

اس میں عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سا سامان پوشیدہ ہے:

عورت کے حقوق

حضرت عائشہ کی زندگی ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام نے عورت کے کیا حقوق مقرر فرمائے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بہترین نمونہ تھے اور حضور نے عائشہ رضؓ سے حسن سلوک کر کے امت کو زبان حال سے بتا دیا کہ عورت کن کن حقوق اور مراعات کی مستحق ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں شوہر کے ذمہ بیوی کے کچھ حقوق واجب ہیں وہاں بیوی پر بھی شوہر کے کچھ حقوق عاید ہوتے ہیں۔ جہاں شوہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ گھر کے کاموں میں بیوی کا ہاتھ بٹائے، اس کی ضروریات کا خیال رکھے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اس کی دلجوئی میں کسر اٹھا نہ رکھے وہاں بیوی پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ گھر کا انتظام اس حسن و خوبی سے چلائے کہ

خاوند کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ وہ شوہر کے آرام و آسائش کا خیال رکھے، بچوں کی نگہداشت اور تربیت کرے اور ایسی خوشگوار فضا پیدا کر دے کہ گھر جنت کا نمونہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ نے عورت کا حقیقی مقام اس کا گھر مقرر فرمایا ہے۔ سیاست میں دخل اندازی اس کے لئے مناسب نہیں خصوصاً ایسی صورت میں تو اُسے سیاست سے بکلی اجتناب کرنا چاہیئے جب ملک میں اضطراب اور شورش برپا ہو اور فتنہ و فساد کے شعلے ہر سو بھڑک رہے ہوں۔ لیڈری عورت کے بس کی بات نہیں۔ وہ قوم جس کی زمام قیادت کسی عورت کے ہاتھ میں ہو، اپنے مقصد میں بہت ہی کم کامیاب ہوتی ہے۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے گھر کا انتظام چلانے کے لئے مقرر فرمایا ہے، اُسے سیاسی معاملات میں گھسیٹنا ملک و قوم کے لئے ابتری کا باعث ہو سکتا ہے۔ اگر عورت بازی گاہ سیاست میں جولانی دکھانے لگے تو لازماً وہ گھر سے بالکل لاپرواہ ہو جائے گی اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی متعلق توجہ نہ دے سکے گی۔ اس کا جو تباہ کن اثر ملک کی نئی پود پر پڑ سکتا ہے، اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

حضرت عائشہؓ کی اہلی زندگی بڑی کامیاب تھی۔ وہ پورے طور پر اپنے گھر کی مالک و مختار تھیں اور ان کے شوہر محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے کاموں میں

ہ ربار ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے اور جب تک گھر میں تشریف فرما رہتے تھے، کوئی نہ کوئی گھریلو کام کرتے ہی رہتے تھے۔

ادھر حضرت عائشہؓ بھی، جہاں تک ان سے بن پڑتا، تبلیغ و ہدایت اور تعلیم و تلقین کے کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتی رہتی تھیں اور اس عظیم الشان بوجھ کو کم کرنے میں، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کندھوں پر پڑا ہوا تھا، ہر وقت ساعی و کوشاں رہتی تھیں۔

پس جہاں تک فریقین کے حقوق کا سوال تھا کسی فریق کی طرف سے بھی دوسرے کے حقوق میں کوتاہی نہ ہوتی تھی اور دونوں اپنے اپنے طبقہ کے لئے بہترین نمونہ تھے۔

حضرت عائشہؓ نے سیاست میں ضرور حصہ لیا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو وہ ذکاوت اور علم و فضل میں مردوں سے بھی بڑھی ہوئی تھیں۔ دوسرے وہ ایک عظیم الشان انسان کی بیوی اور ایک جلیل القدر شخص کی بیٹی تھیں اور ہر شخص ان کی تعظیم کرنے اور ان کے ارشادات کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور تھا اور ایک لیڈر کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ جہاں وہ علم و فضل فطانت و ذکاوت میں ممتاز حیثیت کا حامل ہو وہاں خاندانی لحاظ سے بھی اس کی شہرت قائم ہو اور اس کی

ذاتی وجاہت کے باعث لوگ اس کی باتیں قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ کچھ تو اپنی فطری استعدادوں اور کچھ ملکی حالات کے باعث انہیں سیاست میں حصہ لینا پڑا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر عورت کو حضرت عائشہؓ کی تقلید کرتے ہوئے میدان سیاست میں کود پڑنا چاہیئے۔ ریاست میں حصہ لینے کے لئے خاص استعداد اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہیں شاذ ہی کوئی عورت صحیح طور پر لیڈر بننے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہے لہٰذا عورتیں میدان سیاست سے جتنا دور رہیں، اتنا ہی اُن کے لئے مفید ہے البتہ خانگی زندگی کے میدان میں حضرت عائشہؓ یقیناً دوسری عورتوں کے لئے نمونہ ہیں اور اس عمر میں عورتوں کو ان کی تقلید ضرور کرنی چاہیئے۔

آج کل عورتوں کے حقوق کا پروپیگنڈا کرنے والے مردوں اور عورتوں کی مساوات پر بے حد زور دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی صنف کو دوسری صنف پر کسی قسم کی فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہونی چاہیئے۔ اور دونوں کو ایک جیسے حقوق ملنے چاہئیں لیکن مرد اور عورت کے دائرۂ عمل، خلقت اور عادات و خصائل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مطالبہ بالکل ناقابل عمل ہے۔ اس کی بجائے اگر عورت کو اس کے جائز حقوق دلانے اور اسے ظلم و ستم سے بچانے کی مہم شروع کی جائے تو یقیناً اس سے مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم سب سے پہلی کتاب ہے جس نے اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔

اور مردوں کو عورت کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ (جس طرح دستور کے مطابق عورت کے ذمہ کچھ حقوق واجب ہیں، اسی طرح مردوں کے ذمہ عورتوں کے کچھ حقوق بھی ہیں جن کی ادائیگی بے حد ضروری ہے۔ البتہ چونکہ عورت خلقی طور پر کمزور ہے) اس لئے مرد کو اس پر ایک طرح کی فوقیت حاصل ہے

اور حضرت عائشہؓ کی زندگی اس امر کا ثبوت ہے کہ اسلام نے عورت کے جو حقوق مقرر کئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو ان سب سے نوازا۔

قرآن کریم نے عورت کی جو حیثیت مقرر فرمائی ہے وہ قوانین فطرت کے عین مطابق ہے۔ وہ ایک ابدی حقیقت ہے جو کبھی متغیر نہیں ہو سکتی۔ مرد اور عورت کے درمیان مساوات قائم کرنے کا مطالبہ کرنے والوں پر یہ حقیقت آج نہیں تو کل ضرور منکشف ہو جائے گی کہ وہ مطالبہ جس کی بنیاد فطری حقائق پر نہ ہو، کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت اور مرد ایک دوسرے سے بہت حد تک مختلف ہیں اور یہ اختلاف اتنا واضح ہے کہ جس میں شک کی مطلق گنجائش نہیں۔ عورت اور مرد کے روزمرہ کے مشاغل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اعضاء کی بناوٹ کے لحاظ سے وہ ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔ حتیٰ کہ دونوں کے احساسات اور جذبات بھی

ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں گھریلو اور مثلاً کھانا پکانا، سینا، پرونا، بچوں کی پرورش عورت جس خوبی سے کر سکتی ہے مرد نہیں کر سکتا - - - - - مرد اور عورت کی ذمہ داریاں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ خانگی امور کی نگہداشت فطرت نے عورت پر ڈالی ہے۔ اور روزی کمانے اور بیوی بچوں اور متعلقین کی پرورش کا کام مرد کے سپرد کیا ہے۔

اس صورت میں جب کہ عورت اور مرد کا دائرہ عمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے، دونوں کو ایک جیسے حقوق سے نوازنا اور ان میں کامل مساوات قائم کرنا بالکل ناممکن ہے اور یہ مطالبہ کرنے والے اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ دو لوگ جو جبر کے ذریعہ دونوں کو ایک جیسے حقوق سے نوازنا اور دونوں کے درمیان کامل مساوات قائم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ دراصل خاندان کی عمارت کو منہدم کرنے کے درپے ہیں۔ ان کے خیال میں خاندان ایک طوق ہے جو معاشرہ نے زبردستی لوگوں کے گلوں میں ڈال رکھا ہے، ایک زنجیر ہے جس نے عورت کی ترقی کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں، اس لئے عورت کو کامل آزادی دینے کے لئے خاندان کو تباہ کرنا ضروری ہے لیکن ان لوگوں کی نظر اس حقیقت پر نہیں پڑتی کہ خاندان کی تباہی معاشرہ کی تباہی ہے۔ خاندان کے معدوم ہونے کے نتیجہ میں عورت اور مرد

کے درمیان الفت و محبت اور تعاون و اتحاد کی عمارت بھی دھڑام سے زمین پر آ پڑتی ہے ایسی صورت میں مرد و عورت ایک ایسی مشین کے کل پرزے بن کر رہ جاتے ہیں جو جذبات اور احساسات سے بالکل عاری ہو کر اپنا کام کئے جاتی ہے اور یہ امر انسانیت کے لئے جس قدر مہلک ہے اس کے بیان کرنے کی حاجت نہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان کامل مساوات کی تلقین ایک دھوکا ہے اور ناقابل عمل فلسفہ۔ درست راستہ جو عین فطرت کے مطابق ہے، وہ یہی ہے کہ عورت کو اس کے جائز حقوق سے بہرہ ور کیا جائے اور جو حق تلفیاں اس کے ساتھ ہوتی رہی ہیں ان کا سلسلہ یک قلم بند کر دیا جائے۔ تہذیب و تمدن کی گاڑی اسی طرح چل سکتی ہے اور اسی کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ۔

(مرد کی طرح عورت کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی ضروری ہے۔ البتہ مرد کو عورت پر یک گونہ فضیلت ضرور حاصل ہے)

مرد اور عورت کے درمیان مساوات کے مسئلہ کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ جس کا تعلق تعداد ازدواج سے ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ امر قرین انصاف ہے

کہ مرد ایک وقت میں کئی بیویوں کو اپنے تحت رکھے؟ کیا تعداد ازدواج ایسی نیکی ہے جس کی بجا آوری ہر مسلمان کا فرض ہے؛ اور کیا تعداد ازدواج کے جواز میں قانون قدرت اور فطرت انسانی سے کوئی دلیل مل سکتی ہے؟

اس کا سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ اسلام نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تعداد ازدواج ایسی نیکی ہے جس کی بجا آوری ہر مسلمان پر فرض ہے اسلام نے تعداد ازدواج کو نہ تو ہر مسلمان کے لئے لازمی قرار دیا ہے اور نہ ہر کس و ناکس کے لئے ایک سے زائد بیویاں کرنے پر اظہار پسندیدگی کیا ہے۔ تعداد ازدواج کے لئے اُس نے یہ شرط لازمی قرار دی ہے کہ خاوند تمام بیویوں کے درمیان مساوات اور عدل قائم رکھے اور کسی بیوی کو بھی شکایت کا موقعہ نہ دے۔

اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ شریعت اسلامی خدا تعالیٰ کی طرف سے آخری شریعت ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے، اس لئے لازمی تھا کہ اس میں بنی نوع انسان کی اُن تمام ضروریات اور مشکلات کا لحاظ رکھا جاتا۔ جو آئندہ کے لئے قیامت تک انہیں پیش آنے والی ہیں۔

اسلام نے بنی نوع انسان کی جملہ مشکلات کو جن طریقوں سے حل کیا ہے اس سے بہتر حل ممکن نہیں لیکن جن قوموں نے اسلام کے پیش کردہ حل کو چھوڑ کر خود ساختہ

حل تلاش کرنے چاہیے انہیں یا تو پیش آمدہ مسائل سے فرار اختیار کرنا پڑا یا افراط وتفریط کی راہیں اختیار کر کے اپنے لئے مزید مشکلات پیدا کر لیں۔ تعداد ازدواج کے مسئلہ ہی کو لیجئے۔ یورپ والے کہتے ہیں کہ تعداد ازدواج ہمارے لئے قطعاً ناقابل برداشت ہے لیکن حقائق سے گریز کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں زنا عام ہے اور مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تعدادازدواج ناقابل برداشت ہے لیکن بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کو بطور داشتہ گھر میں ڈال لینا جائز اور تہذیب کے عین مطابق ہے!!!

انسانی تاریخ میں مختلف دور ایسے آتے رہے ہیں جب عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے اس حد تک بڑھ جاتی رہی ہے کہ ہر عورت کے لئے خاوند کا میسر آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ جنگ کے زمانے میں تو ہر وقت یہ صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ اس وقت نہ صرف یہ کہ مردوں کی تعداد گھٹ جاتی ہے۔ بلکہ ہزاروں لاکھوں عورتیں بیوہ ہو کر بے کسی اور بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ یورپ کی جنگ عظیم میں یہی ہوا۔ اول تو وہاں پہلے ہی مردوں کی تعداد عورتوں کی نسبت بہت کم تھی۔ دوسرے جنگ کی تباہ کاریوں نے ان کی تعداد کو تشویشناک حد تک کم دیا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ کے بعد تیس چالیس لاکھ عورتیں ایسی باقی رہ گئیں

جن کے لئے یا تو تحاوتد میسر نہ تھے یا وہ بیوگی کی حالت میں ذلت آمیز زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور تھیں۔ اس صورت حال کو سامنے رکھئے اور پھر تعدد ازدواج کے مسئلے کو اپنے ذہن میں لائیے۔ تعداد ازدواج کے خلاف خواہ کتنی دلیلیں دی جائیں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ بیوگی کی ذلت آمیز زندگی کا مداوا تعداد ازدواج کے سوا اور کوئی نہیں۔ اسی طرح یہ مسئلہ بظاہر کتنا ناگوار معلوم ہوتا ہو لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ غیر شادی شدہ عورتوں کے لئے سارا دن کارخانوں میں کام کرنے اور رات کو تکان سے چور ہو کر بستر پر آ پڑنے سے کہیں بہتر ہے کہ انہیں ایسے شوہروں کی رفاقت نصیب ہو، جن کی گو پہلے سے بیویاں موجود ہوں لیکن اُن کے لئے بھی ان کی محبت کا دروازہ ایسے ہی کھلا ہو جیسے دیگر بیویوں کے لئے۔

عورت کی حریت و مساوات کے علمبردار اور تعداد ازدواج کے مخالفین اپنی دلیل میں یہ امر بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر مردوں کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے۔ تو عورتوں کو بیک وقت کئی خاوندوں سے نکاح کرنے کی کیوں اجازت نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امر فطرت کے بالکل برخلاف ہے اگر عورت بیک وقت کئی مردوں سے تعلق قائم کرلے تو بچوں کی پیدائش پر وہ اپنے خاوندوں کو کیسے یقین دلا سکے گی کہ فلاں بچہ فلاں خاوند کا ہے ایسی عورت کے پیٹ سے

پیدا ہونے والے بچوں کو کوئی خاوند بھی اپنی اولاد تسلیم نہیں کرے گا اور ان بچوں کا مستقبل نہایت تاریک ہو جائے گا۔ لیکن کسی مرد کے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی صورت میں اس قسم کی کوئی مشکل پیش نہیں آ سکتی۔

اس جگہ ایک اہم امر کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ بیوی کی آزادی اور عورت کی آزادی دو علیحدہ علیحدہ مسئلے ہیں ایک مسئلہ نہیں۔

تفصیلات میں خواہ کتنا ہی اختلاف ہو تاہم ہر شخص اس امر پر متفق ہے کہ رشتۂ ازدواج بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے جن کی پابندی کرنا نہ صرف بیوی بلکہ خاوند کا بھی فرض ہے۔ نہ بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے شریک زندگی کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور نہ مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق کی نگہداشت میں لاپروائی سے کام لے۔

لیکن جس مسئلہ کے متعلق آج کل افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے وہ مجرد عورت کی آزادی کا مسئلہ ہے۔

موجودہ زمانے کے نام نہاد آزادی کے علمبرداروں کا یہ خیال ہے کہ ہر ایسی عورت کو جو شادی کے بندھنوں میں گرفتار نہ ہو چکی ہو۔ کامل آزادی ملنی چاہیئے

اور اُسے جنسی قیود میں ہرگز نہ جکڑنا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قیود دراصل مذہب کی طرف سے اس پر عائد کی گئی ہیں، جس قدر جلد ممکن ہو سکے عورت کو اُن سے آزاد کر دینا چاہیئے۔ اور جو بیڑیاں اس کے پاؤں میں ابتدائے آفرینش سے پڑی ہوئی ہیں۔ انہیں یکسر اتار پھینکنا چاہیئے، اس طرح وہ انسان کو اشرف المخلوقات کے درجے سے گرا کر حیوان مطلق کی سطح پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔

یہ خیال کہ مذہب نے انسان کو نا واجب قیود میں جکڑا ہوا ہے، ایک عظیم مغالطہ ہے جو نام نہاد آزادی کے یہ علمبردار دنیا کو دینا چاہتے ہیں۔ عورت پر جو قیود لگی ہوئی ہیں وہ مذہب نے نہیں بلکہ فطرت انسانی نے لگائی ہیں اور فطرت کی عائد کردہ قیود کو توڑنے والا اشرف المخلوقات نہیں بلکہ ارذل المخلوقات کہلانے کا مستحق ہے، فطرت کی عائد کردہ قیود کی پابندی کرنے کا نام اخلاق ہے اور اخلاق (خواہ ان کا تعلق جنسی امور سے ہو خواہ غیر جنسی امور سے) کی بنیاد ضبط نفس پر ہے۔ جو شخص اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکتا۔ وہ ہرگز با اخلاق انسان کہلانے کا مستحق نہیں

مثال کے طور پر کھانے کو لیجئے بعض مخصوص حالتوں کے سوا مذہب نے کھانے پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ ہر شخص کو اجازت ہے کہ جب چاہے کھانا کھائے اور جتنا چاہے کھانا کھائے لیکن جو انسان کھانا کھاتے وقت اپنے نفس پر قابو نہیں

رکھ سکتا اور کھانا دیکھتے ہی اس طرح اس پر ٹوٹ کر گرتا ہے جیسے پانچ وقت کے فاقے سے ہو ــــ ہرگز شریف انسان کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا۔ اور ہر محفل اور ہر جگہ ذلّت کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

جنسی امور میں ضبطِ نفس لابدی چیز ہے۔ یہ ایک اخلاقی قیمت ہے جو مرد عورت سے طلب کرتا ہے اور عورت مرد سے اور وہ دونوں اس اولاد سے جو آگے چل کر اس فضیلت کی وارث بننے والی ہے۔

اگر ایک شخص آبرو باختہ عورت سے نفرت کرتا ہے تو وہ اس سے اس لئے نفرت نہیں کرتا کہ اس عورت نے دین کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ اس لئے اس پر نفرین بھیجتا ہے کہ اس نے فطرت کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے اور فطرت کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو مہذّب انسانوں کی برادری میں کہیں بھی عزّت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

یقیناً مذہب نے انسان پر جنسی امور کے بارے میں بعض پابندیاں عائد کی ہیں لیکن ظلم کے طور پر نہیں بلکہ محض اس لئے کہ فطرتِ انسانی ان پابندیوں کا تقاضا کرتی تھی۔ ان پابندیوں کے ذریعہ اخلاق کی بنیاد استوار کی جاتی ہے اور بنی نوع انسان کو اخلاقی قیود میں جکڑ کر انہیں تباہی سے بچایا گیا ہے۔

پس جو مذاہب ان قیود کو تسلیم کرتے ہیں وہ فطرت سلیمہ کی آواز پر لبیک کہہ کر ایسا کرتے ہیں لیکن جو لوگ انسان کو مادر بپدر آزادی دلانے کے خواہاں ہیں۔ وہ دراصل بنی نوع انسان پر بدترین ظلم ڈھا رہے ہیں اور فطرت کی آواز کا انکار کر کے انسانیت کو ہلاکت کے مہیب غار کی طرف دھکیلنا چاہتے ہیں۔ پس اصلی فضیلت یہی ہے کہ انسان فطرت کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنے اعمال کو اس کے مطابق ڈھالے اور غیر فطری امور سے اجتناب کر کے آپ کو حیوان مطلق بننے سے بچالے ؛

ترجمہ

رسالہ

عین الاصابہ

فیما

استدرکتہ السیدۃ عائشہ علی الصحابۃ

از

مولانا جلال الدین سیوطی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ رسالہ جس کا نام میں نے "عین الاصابہ فی استدراك عائشۃ علی الصحابۃ" رکھا ہے، امام بدرالدین زرکشی کی کتاب "الاجابۃ لایراد ما استدرکتہ عائشۃ علی الصحابۃ" کا خلاصہ ہے۔ مگر خلاصہ کرنے کے باوجود میں نے اس امر کا خیال رکھا ہے کہ اگر اس موضوع کے متعلق مجھے کوئی نئی بات معلوم ہو تو اُسے اپنے رسالہ میں زیادہ کر دوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مختلف علمی اور فقہی مسائل میں دیگر صحابہ کرام سے جو اختلاف کیا ہے، اس رسالہ میں انہی اختلافات کا ذکر ہے

اس موقع پر اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ اس موضوع پر شیخ بدرالدین زرکشی
کی مذکورہ بالا کتاب کو اوّلیت کا درجہ حاصل نہیں ہے بلکہ ان سے بھی پہلے
مشہور فقیہہ اور محدّث الاستاد ابو منصور بن حسن بن محمد بن علی بن طاہر البغدادی
ایسی ہی ایک کتاب تالیف فرما چکے ہیں، گو وہ بہت مختصر ہے اور اس میں
صرف پچیس مسائل کا تذکرہ ہے۔ اس کا علم مجھے ابو عبداللہ بن مقبل کے ذریعے
ہوا۔

باب فضل عائشہ

حضرت عائشہ رضؓ کے علم و فضل کا بیان

مصنف (امام بدرالدین زرکشی) نے کتاب الاجابہ میں اور حاکم نے مستدرک میں عروہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں۔

"میں نے حلال و حرام کے مسائل، علوم و فنون، شعر اور طب میں حضرت عائشہ رضؓ سے بڑھ کر کسی کو باخبر نہیں دیکھا۔"

حاکم نے عروہ ہی کی ایک اور روایت بھی درج کی ہے جس میں ذکر کرتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا، سنن و فرائض تو آپ نے رسول اللہ صلعم

صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے، شعر اور عربی زبان کا علم آپ کو عرب شعراء اور زبان آور خطیبوں کے ذریعے حاصل ہوا لیکن یہ فرمائیے کہ طب کس ذریعے سے حاصل کیا؟"
انھوں نے جواب میں فرمایا "جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ فراش تھے تو اطبائے عرب آپ کے پاس آیا کرتے تھے، میں نے انہی سے یہ علم سیکھا"۔

مسروق ذکر کرتے ہیں :-

"خدا کی قسم! میں نے صحابہ کو حضرت عائشہؓ سے میراث کے مسائل پوچھتے سنا ہے"۔ (مستدرک حاکم)

عطا کہتے ہیں :-

"عامۃ الناس میں حضرت عائشہؓ سے زیادہ فقیہہ، عالم اور صاحب الرائے اور کوئی نہ تھا" (مستدرک حاکم)

امام زہری فرماتے ہیں :-

"اگر تمام صحابہ کا علم یک جا کیا جائے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا علم بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے، تب بھی حضرت عائشہؓ کا علم ان سب کے یک جائی علم سے بڑھ کر ہو گا"۔ (مستدرک حاکم)

موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں :-

"میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے زیادہ فصیح اور کسی کو نہیں دیکھا" (مستدرک حاکم)

احنف ذکر کرتے ہیں :-

"میں نے ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ علیؓ اور دیگر حکام و امراء کے خطبات سنے ہیں لیکن جو شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت میں نے حضرت عائشہ رضؓ کے خطبوں میں پائی وہ اور کسی کے خطبوں میں نہیں تھی" (مستدرک حاکم)

حضرت عائشہ رضؓ خود فرماتی ہیں :-

"میں فخر نہیں کرتی لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے نو باتیں ایسی عطا فرمائی ہیں جو مجھ سے پہلے سوائے مریم بنت عمران کے اور کسی عورت کو عطا نہیں ہوئیں اور وہ یہ ہیں :-

۱۔ شادی سے قبل جبریل میری تصویر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۔ حضور نے مجھ سے اس وقت نکاح کیا جب میری عمر صرف سات سال کی تھی۔

۳۔ رخصت کے وقت میری عمر نو برس کی تھی۔

۴۔ میرے سوا حضور نے اور کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔

۵۔ میرے لحاف کے سوا اور کسی بیوی کے لحاف میں حضور پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۶) میں حضور کی سب سے محبوب بیوی تھی۔

(۷) میرے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں۔

(۸) میرے سوا حضور کی اور کسی بیوی نے جبریل کی زیارت نہیں کی۔

(۹) حضور نے میرے ہی حجرے میں وفات پائی! ور وفات کے وقت حجرے میں میرے سوا اور کوئی موجود نہ تھا۔ (مستدرک حاکم)

باب الطہارۃ

غسل کے مسائل

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں میں حضرت عائشہؓ کے پاس گیا اور عرض کیا:-

"ام المومنین! جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ غسل شرعی کے لیے خروجِ مادہ شرط ہے"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا:-

"جابر غلط کہتے ہیں غسل خروج مادہ کے بغیر بھی واجب ہوتا ہے اگر خروج مادہ کے بغیر رجم واجب ہو جاتا ہے تو غسل کیوں نہیں ہو سکتا؟"

ہشام بن عروہ اپنے والد کی زبانی یہ روایت بیان کرتے ہیں :۔

— " ابنِ عمر کا فتویٰ یہ تھا کہ بوسہ لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا :۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے لیکن دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے " (سنن دار قطنی)

عبید بن عمیر روایت بیان کرتے ہیں :۔

" حضرت عائشہ کو معلوم ہوا کہ ابنِ عمرؓ عورتوں کو اپنی چوٹیاں کھول کے غسل کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا " ابنِ عمر یہ کیوں نہیں کہتے کہ غسل کے وقت عورتیں اپنا سر ہی منڈوا دیا کریں۔ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کیا کرتے تھے لیکن میں نے کبھی اپنے سر کی چوٹی نہیں کھولی بلکہ اس پر صرف تین چلو پانی بہا لیا کرتی تھی۔ (مسلم و نسائی)

ابو منصور بغدادی نے اپنی کتاب میں عبدالرحمٰن بن حاطب کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں :۔

" ابو ہریرہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص مردے کو غسل دے وہ بعد میں خود بھی غسل کرے اور جو جنازے کو کندھا دے وہ وضو کرے۔ جب حضرت عائشہؓ کو

اس کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا "کیا مسلمانوں کے مردے بھی نجس ہیں کہ انہیں ہاتھ لگانے سے غسل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور اگر کوئی شخص جنازہ کو کندھا دیتا ہے (اور بعد میں وضو نہیں کرتا) تو اس میں حرج کی کیا بات ہے"

باب الصلوٰۃ

نماز کے مسائل

ابوسلمہ ذکر کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب یہ قول منسوب کیا کرتے تھے۔

"جس نے وتر نہیں پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوئی"

جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا "ہم سب نے ابوالقاسم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو کہتے سنا اور اب تک ہم نہیں بھولے کہ جو شخص پانچوں وقت کی نمازیں وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اور اس میں کمی نہیں کی، اس نے خدا سے عہد لے لیا کہ وہ اسے عذاب نہ دے گا۔ لیکن جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بخش دے

اور چاہے تو عذاب دے[1]" (معجم طبرانی)

ابوالقاسم بن محمد روایت کرتے ہیں :-

"حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا کہ ابوہریرہ کہتے ہیں" اگر عورت سامنے سے گذر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے" انہوں نے فرمایا :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔ جب حضور سجدہ کرنے لگتے تھے ہاتھ سے میرے پاؤں کو ہلاتے تھے۔ میں اپنے پاؤں سکیڑ لیا کرتی تھی اور جب حضور سجدہ سے سر اٹھاتے تھے تو دوبارہ پھیلا لیتی تھی۔"

---

[1] حضرت عائشہؓ کا مقصد اس حدیث کے بیان کرنے سے یہ تھا کہ وتر کی نماز فرائض میں نہیں بلکہ سنتوں میں شامل ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ وتر کی نماز ادا نہ کرنے سے دوسری نمازیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ تو اس صورت میں لازمی ہے کہ اس شخص کو عذاب کا مستحق سمجھا جائے۔ حالانکہ عذاب کا اصل مستحق فرائض کو ترک کرنے والا ٹھہرتا ہے نہ کہ سنتوں کو ترک کرنے والا (مترجم)

ابو نہیک ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوالدرداءؓ نے خطبہ کے دوران میں کہا، "جو شخص وتر پڑھے بغیر سو جائے اور صبح کی نماز کے وقت اس کی آنکھ کھلے تو وہ وتر ادا نہیں کر سکتا"، جب حضرت عائشہؓ کو ابوالدرداءؓ کی اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:-

"ابوالدرداءؓ غلط کہتے ہیں بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر بھی رات کو ادا ہو جانے سے رہ جاتے تھے لیکن حضور انہیں صبح کی نماز کے وقت ادا فرما لیتے تھے (سنن بیہقی)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے کے وقت تک نوافل ادا کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا:- عمر کو غلط یاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد سورج کے غروب ہونے تک کوئی اور نماز ادا کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ صرف اس بات سے منع فرمایا ہے کہ تاک کر سورج کے طلوع یا غروب ہونے کے وقت نماز پڑھی جاتے۔ (صحیح مسلم)
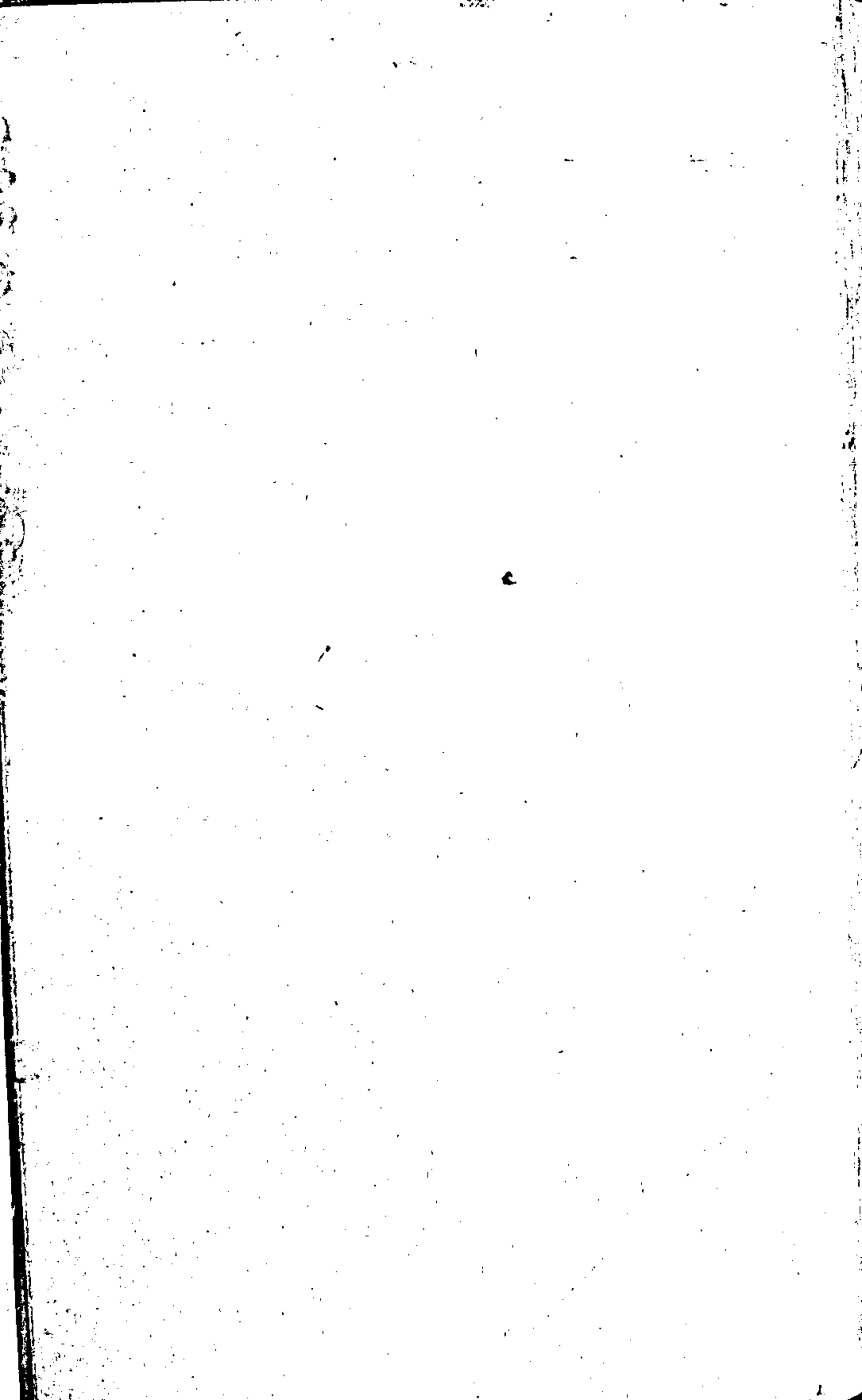
باب الجنائز

جنازہ کے مسائل

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا :-

"میں نے کہلا کر بھیجا تھا کہ سعد بن ابی وقاص کا جنازہ مسجد نبوی میں لایا جائے تاکہ ہم عورتیں بھی نماز جنازہ میں شریک ہوسکیں لیکن لوگوں نے اسے برا منایا"

یہ کہہ کر فرمایا :- "لوگ کتنی جلدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے واقعات بھول گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہل بن بیضاء کا جنازہ مسجد ہی میں پڑھایا تھا" (صحیح مسلم)

عبداللہ بن ابی ملیکہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کی ایک بیٹی فوت ہوگئیں۔ ہم تعزیت کے لئے ان کے مکان پر گئے۔ وہاں ابن عمرؓ

اور ابن عباسؓ بھی موجود تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے عمرو بن عثمانؓ سے (جو اپنی بہن کے فوت ہونے پر رو رہے تھے) کہا رو مت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے پر عذاب دیا جاتا ہے"

ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت عمر بھی یہی کہا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا :۔

" اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ مومن کو کسی شخص کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ کافر کو اس کے گھر والوں کے آہ و بکا کرنے پر اور زیادہ عذاب دیا جاتا ہے۔ تمہارے لئے سب سے بڑی حجت قرآن کریم ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (قیامت میں کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)"

ابن ملیکہ کہتے ہیں کہ جب ابن عمرؓ کو حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث سنائی گئی تو انہوں نے کچھ نہیں کہا (بخاری مسلم)

عمرہ نے حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ روایت بیان کی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے میت کو اس کے گھر والوں کی آہ و بکا کے سبب عذاب دیا

جائے گا۔ حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر کہا " اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمٰن کو معاف کرے۔ انہوں نے جھوٹ تو نہیں بولا لیکن معلوم ہوتا ہے وہ بھول گئے ہیں یا انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ کے جنازے کے پاس سے گزرے۔ اس کے گھر والے اس کا ماتم کر رہے تھے۔ حضور نے فرمایا " یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں۔ لیکن اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے" (بخاری مسلم)

عروہ بنت عبد الرحمٰن ذکر کرتی ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھاری دار یمنی چادر میں کفنایا گیا تھا کیا یہ صحیح ہے؟ انہوں نے فرمایا " لوگ دھاری دار یمنی چادر لائے تو تھے لیکن وہ استعمال نہیں کی گئی (مسلم)

ابن عمرؓ بیان کیا کرتے تھے کہ جنگ بدر ختم ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کوئیں پر تشریف لائے جس میں کفار مکہ کی لاشیں گھسیٹ کر ڈال دی گئی تھیں اور فرمایا :- " اب تو تمہیں پتہ چل گیا ہو گا کہ تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا تھا" لوگوں نے عرض کیا " حضور! کیا یہ مردے آپ کی آواز سنتے ہیں؟" آپ نے فرمایا " جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے یہ

ابھی تک سن رہے ہیں"۔

جب حضرت عائشہؓ کو ابن عمرؓ کی اس روایت کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اب انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں جو کچھ کہا کرتا تھا وہ سچ تھا" (طبرانی)

ایک مرتبہ ابو ہریرہؓ نے لوگوں کے سامنے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے لیکن جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات پسند نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنا نہیں چاہتا"

جب حضرت عائشہؓ کو ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ اس حدیث کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ انہوں نے حدیث کا آخری حصہ تو بیان کر دیا لیکن ابتدائی حصہ چھوڑ گئے۔ پوری حدیث یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی وفات والے سال ایک فرشتے کو مقرر کرتا ہے۔ جو اسے وقتاً فوقتاً جنت کی بشارت دیتا رہتا ہے اور اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھ سکتا ہے۔ جب اس بندے کی وفات کا وقت آتا ہے

تو فرشتہ اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے "اے نفس مطمئنہ! تو دنیوی آلائشوں سے چھٹکارا پا کر اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہو رہا ہے جہاں تیرے لئے ہر قسم کی آلائش مہیا ہیں۔ تجھے وہاں خدا تعالےٰ کا دیدار بھی میسر ہوگا۔ یہی وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالےٰ کے دربار میں باریابی کا مشتاق ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات کا خواہشمند ہوتا ہے، لیکن جب خداوند تعالےٰ کسی بندے کو عذاب دینا چاہتا ہے تو اس کی وفات والے سال ایک شیطان کو اس پر مسلط کر دیتا ہے جو اسے سیدھی راہ سے بھٹکا کر بدی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔ جب اس کی موت کا وقت نزدیک آتا ہے تو ملک الموت اس کی روح قبض کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے۔ اس پر وہ شیطان اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے "اے شخص! خدا کے دربار میں تیری پیشی کا وقت آچکا ہے اور اللہ کا غضب اور عذاب تجھ پر نازل ہونے والا ہے" یہی وہ وقت ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ اس سے (بحالت رضامندی) ملنا ناپسند کرتا ہے۔ (دارقطنی)

حضرت ابوسعید خدریؓ نے وفات کے قریب نئے کپڑے منگا کر پہنے اور کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مردہ انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کپڑوں میں اس نے وفات پائی تھی" جب حضرت عائشہ

کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا :-

" اللہ تعالیٰ ابوسعید پر رحم فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب وہ نہ تھا جو ابوسعید نے سمجھا، بلکہ یہ تھا کہ بندہ وفات کے قریب جس قسم کے اعمال بجا لائے گا قیامت میں انہی کے مطابق اسے بدلہ دیا جائے گا۔ کپڑوں میں اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن بغیر ختنہ کئے اٹھائے جائیں گے (ابوداؤد۔ ابن حبان۔ حکم)

ابومنصور بغدادی ابوعطیہ کی ایک روایت اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں :-

" میں اور مسروق حضرت عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسروق نے عرض کیا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں " جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو پسند کرتا ہے "۔ یہ سُن کر حضرت عائشہ رض نے فرمایا :-

" اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔ اُنہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ تو بیان کر دیا لیکن آخری حصہ بیان نہ کیا اور تم نے بھی ان

سے نہ پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حدیث اس طرح ہے
کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے تو اس کی وفات
والے سال اس کے لئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اسے صراطِ مستقیم
پر گامزن کر دیتا ہے اور نیک اعمال اس سے صادر ہونے لگتے ہیں۔
یہاں تک کہ اس کی وفات کے بعد لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص بہترین زندگی
گزار کر دنیا سے رخصت ہوا۔ وفات کے بعد جب وہ اللہ تعالیٰ کے
دربار میں حاضر ہوتا ہے اور جنّت کی نعما اپنے سامنے دیکھتا ہے ، تو
اس کا دل خوشی سے معمور ہو جاتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے۔ جب وہ
خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے ملاقات
کرنا پسند فرماتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس جب اللہ تعالےٰ کسی بندے
سے (اس کی بد اعمالیوں کے سبب) برا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ تو
اس کی وفات والے سال ایک شیطان اس پر مسلّط کر دیتا ہے۔ وہ
اسے سیدھی راہ سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ
جب وہ مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے بدترین حالت میں
وفات پائی۔ جب وہ دوبارہ اٹھایا جاتا ہے تو اپنی بد اعمالیوں کے باعث

جہنم کے عذاب کو اپنے سامنے دیکھتا ہے تو اس کے حزن والم کی نہتا
نہیں رہتی۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب وہ اللہ تعالےٰ سے ملاقات
کرنا ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس سے ملاقات کرنا ناپسند فرماتا
ہے"

باب الصّیام

روزوں کے مسائل

حضرت ابنِ عمرؓ نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے" لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا "اللہ تعالیٰ ابو عبدالرحمٰن پر رحم کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مہینے کے لئے انتیس دن کی تحدید نہیں فرمائی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا بھی ہوتا ہے۔ ساتھ ہی پوری حدیث بھی بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی۔ کہ آپ ایک مہینہ تک اپنی بیویوں سے کلام نہیں کریں گے۔ یہ دن حضور نے ایک بالاخانے میں بسر فرمائے۔ جب انتیس دن ہو چکے تو حضور بالاخانے سے

اتر کر میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا "آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ایک مہینہ تک ہم سے بات چیت نہ کریں گے"۔ آپ نے فرمایا "مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے" (مسند احمد بن حنبل)

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہؓ نے ایک مرتبہ دوران وعظ میں کہا "اگر روزے کے دنوں میں کسی کو صبح نہانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ روزہ نہ رکھے" میں نے ابوہریرہ کی یہ بات عبدالرحمٰن بن حارث سے بیان کی۔ انہوں نے اپنے والد سے اس کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی کوئی حدیث نہیں سنی" ابوبکر بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں "میں اور عبدالرحمٰن بن حارث حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس پہنچے لیکن ان دونوں نے ابوہریرہؓ کی بات کی تردید کی اور کہا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالت پیش آتی تھی تو آپ کبھی روزہ قضا نہیں کرتے تھے" ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر مروان کے پاس آئے عبدالرحمٰن نے یہ سب ماجرا اس سے بیان کیا۔ مروان نے کہا "میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ تم ابوہریرہؓ کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے ان کے قول کی تردید کرو" چنانچہ ہم ابوہریرہؓ کے پاس آئے۔ عبدالرحمٰن نے ان سے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی فرمودہ

حدیث بیان کی۔ انہوں نے پوچھا "کیا واقعی وہ دونوں یہ کہتی ہیں؟" انہوں نے کہا ہاں ابوہریرہؓ نے کہا " اصل بات یہ ہے کہ میں نے یہ مسئلہ فضل بن عباس سے سنا تھا۔ براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا۔ اب تم کہتے ہو کہ عائشہؓ اور ام سلمہؓ اس کی تردید کرتی ہیں تو میں اپنے فتوے سے رجوع کرتا ہوں" (مسلم)

بزاز اپنی مسند میں لکھتے ہیں کہ اس ایک حدیث کے علاوہ ہمیں اور کسی ایسی حدیث کا علم نہیں جسے ابوہریرہؓ نے فضل بن عباس کے حوالے سے بیان کیا ہو۔
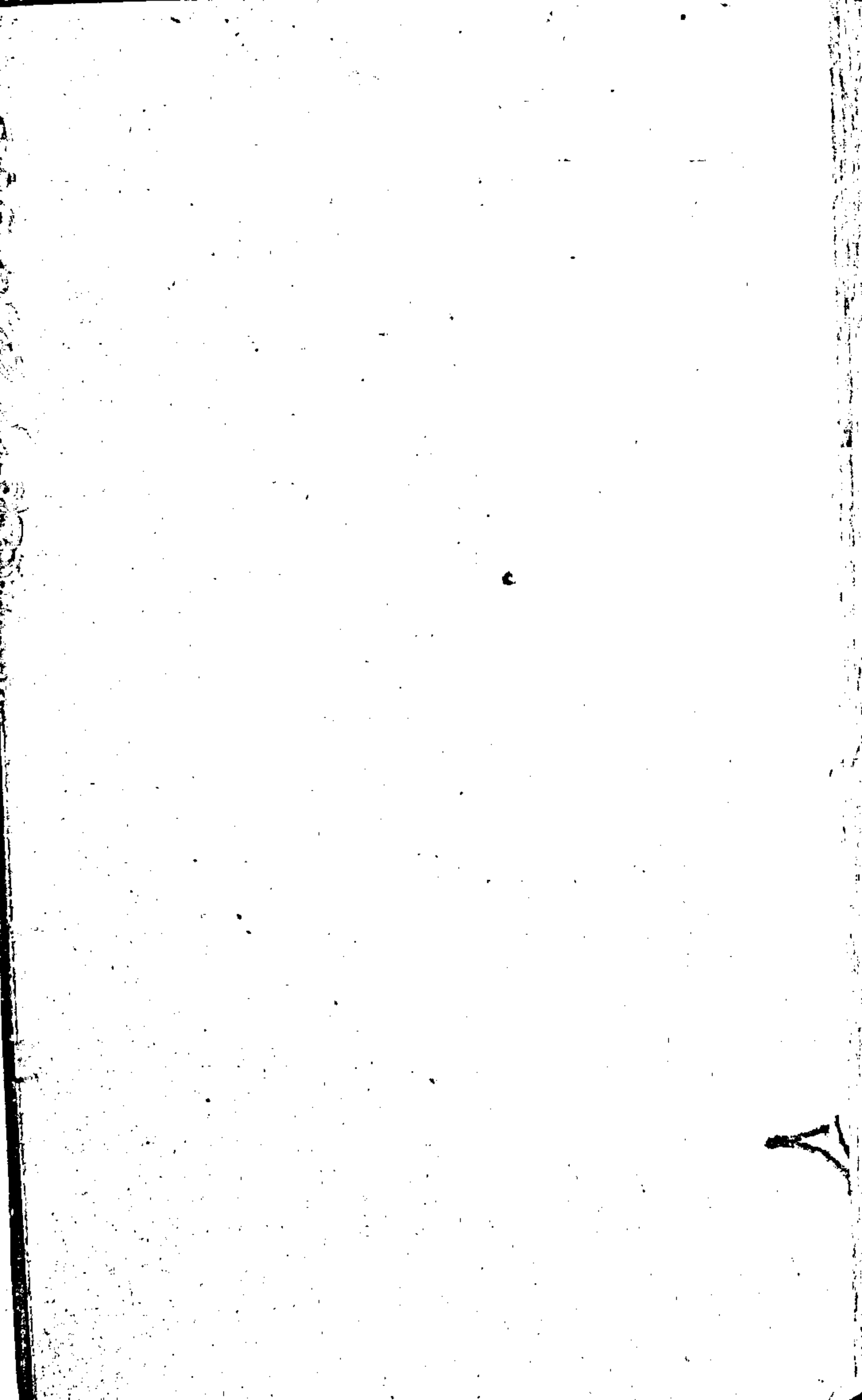
باب الحج

حج کے مسائل

سالم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابنِ عمرؓ نے اپنے والد کا یہ قول بیان کیا
کہ رمی کرنے اور سر منڈانے کے بعد حاجیوں پر عورتیں اور خوشبو کے سوا
دوسری چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔ سالم کہتے ہیں جب حضرت عائشہؓ نے یہ
بات سنی تو فرمایا کہ سوائے عورتوں کے باقی سب چیزیں جائز ہو جاتی ہیں
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کھول دیا کرتے تھے تو میں حضور کے
کپڑوں کو خوشبو لگایا کرتی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی
پیروی کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے (سنن بیہقی)

عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے حضرت

عائشہؓ کی خدمت میں ایک مکتوب روانہ کیا جس میں لکھا کہ عبداللہ بن عباس کہتے ہیں جو شخص خود حج کے لئے نہ جا سکے لیکن قربانی کا جانور حرم میں ذبح کرنے کے لئے بھیج دے، اس پر قربانی کے ذبح ہونے تک تمام وہ چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ جو ایک حاجی پر حرام ہوتی ہیں۔ میں نے بھی اپنی قربانی بھیجی ہے آپ مجھے لکھئے کہ کیا واقعی مسئلہ اسی طرح ہے" عمرہ کہتی ہیں حضرت عائشہؓ نے جواب میں لکھوایا کہ" ابن عباسؓ کا کہنا درست نہیں۔ میں اپنے ہاتھ سے قربانیوں کے جانوروں کے لئے قلادے (جانوروں کے گلوں میں ڈالنے کی رسی) بٹا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ قلادے اپنے ہاتھ سے جانوروں کو پہناتے تھے! اور پھر میرے والد کے ہمراہ انہیں مکہ معظمہ بھیج دیا کرتے تھے لیکن اپنے اوپر کوئی چیز ایسی حرام نہیں کرتے تھے جسے اللہ تعالےٰ نے جائز ٹھہرایا ہوا ہوتا تھا۔" (سنن بیہقی)

امام زہری بیان کرتے ہیں کہ اس مسئلے کے بارے میں سب سے پہلے حضرت عائشہؓ نے لوگوں کی غلط فہمیاں دور کیں اور انہیں سنتِ نبوی سے آگاہ کیا زہری کہتے ہیں "مجھے عروہ اور عمرہ نے بتایا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں میں قربانیوں کے جانوروں کی رسیاں بٹا کرتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حلال ملال ہلال

انہیں مکہ بھیج دیا کرتے تھے لیکن کسی چیز سے اجتناب نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ وہ قربانی مکہ میں ذبح ہو جاتی تھی۔ جب لوگوں کو حضرت عائشہؓ کے اس قول کا پتہ چلا تو انھوں نے اسی پر عمل شروع کر دیا اور ابن عباسؓ کے فتوے کو ترک کر دیا" (بیہقی)

محمد بن منتشر کہتے ہیں "میں نے ابن عمرؓ سے احرام سے قبل خوشبو لگانے کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں اپنے بدن پر تارکول چپڑوانا پسند کروں گا لیکن یہ پسند نہیں کروں گا کہ حالت احرام میں میرے جسم سے عطر کی خوشبو آئے" جب اس امر کا تذکرہ حضرت عائشہؓ کے حضور ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ "میں رات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگایا کرتی تھی صبح اٹھ کر آپ احرام باندھتے تھے اور آپ کے جسم سے خوشبو کی مہک بدستور آتی رہتی تھی"۔ (بخاری۔ مسلم۔ نسائی)

مجاہد سے روایت ہے کہ عروہ نے ابن عمرؓ سے پوچھا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے ادا کئے ؟" انھوں نے جواب دیا" چار عمرے اور ان میں سے ایک ماہ رجب میں ادا فرمایا" حضرت عائشہؓ کا حجرہ قریب ہی تھا۔ عروہ نے پکار کر کہا " ام المومنین ! آپ سنتی ہیں۔ ابو عبدالرحمٰن کیا کہہ رہے ہیں ؟"

انہوں نے پوچھا کیا کہہ رہے ہیں ؟" عروہ نے کہا " یہ کیا کہہ رہے ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے اور ان میں سے ایک ماہ رجب میں ادا فرمایا" انہوں نے کہا " اللہ تعالٰے ابوعبدالرحمٰن پر رحم فرمائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ ایسا نہیں کیا جس میں وہ (ابن عمرؓ) حضور کے شریک نہ رہے ہوں (اس پر بھی وہ بھول گئے) حضور نے ماہ رجب میں کوئی عمرہ ادا نہیں فرمایا" (بخاری و مسلم)

لیکن ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے جو حدیث بیان کی ہے ۔ وہ مذکورہ بالا حدیث سے کچھ مختلف ہے ۔ یہ حضرات مجاہد ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ کسی نے ابن عمرؓ سے پوچھا " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے عمرے کئے ؟" انہوں نے جواب دیا " دو " جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا " تعجب ہے ابن عمرؓ باوجود علم رکھنے کے ایسی بات کہتے ہیں اور حجۃ الوداع کے ساتھ جو عمرہ کیا تھا وہ ان کے علاوہ ہے "

سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ان کے والد یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں جب احرام باندھیں تو اپنے موزوں کو کاٹ کر انہیں جوتیاں بنا لیں لیکن صفیہ نے انہیں بتایا کہ عائشہؓ کا فتویٰ اس کے برعکس ہے وہ عورتوں

کو حالتِ احرام میں موزے کاٹ دینے کا حکم نہیں دیتیں یہ سن کر ابن عمرؓ نے اپنے فتوے سے رجوع کر لیا (شافعی۔ بیہقی)

ابن داؤد اور ابن خزیمہ سالم بن عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عورتیں جب احرام باندھیں تو اپنے موزوں کو کاٹ دیں اور انہیں جوتیاں بنا لیں لیکن پھر صفیہ بنت ابی عبید نے انہیں حضرت عائشہؓ کو ایک روایت سنائی جس میں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام حج میں عورتوں کو موزے پہننے کی اجازت دے دی تھی۔ اس پر ابن عمر نے اپنے فتوے کو واپس لے لیا۔

امام احمد بن حنبلؒ "کتاب المناسک الکبیر" میں مجاہد کی ایک روایت بیان کرتے ہیں جو یہ ہے:۔

"عائشہؓ کہا کرتی تھیں مجھے ابن زبیرؓ کے اس فتوے پر تعجب ہوتا ہے کہ قریضہ حج ادا کرنے والی عورتیں چار انگل بال کٹوائیں، حالانکہ انہیں صرف کسی طرف کی ذرا سی لٹ ترشوا دینی کافی ہے۔"

ابن اسحاق کہتے ہیں "ایک مرتبہ براء نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین عمرے کئے اور تینوں ذی القعد میں کئے۔ حضرت عائشہؓ

کو معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور نے چار عمرے کئے ہیں اور ان میں وہ عمرہ بھی شامل ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے ساتھ ادا فرمایا" (سنن بیہقی)

ابو علقمہ بیان کرتے ہیں کہ شیبہ بن عثمان (نگران خانۂ کعبہ) حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا " ام المومنین! خانۂ کعبہ کے غلاف ہمارے پاس کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں اور ہم اس ڈر سے کہ کہیں لوگ ناپاکی کی حالت میں انہیں استعمال میں نہ لے آئیں۔ انہیں گڑھا کھود کر دبا دیتے ہیں" حضرت عائشہؓ نے فرمایا " تم بہت برا کرتے ہو۔ غلاف جب خانۂ کعبہ سے اتار لیا گیا تو وہ تمہارے لئے بے کار ہے خواہ اسے جنبی پہنیں یا حائضہ عورتیں۔ آئندہ سے تم اترے ہوئے غلاف کو بیچ دیا کرو اور جو رقم حاصل ہو اسے مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کر دیا کرو"۔

(سنن بیہقی)

۱۹۰۰/ ۵

باب البیع

خرید و فروخت کے مسائل

ابو اسحاق سبیعی کی بیوی بیان کرتی ہیں کہ چند عورتوں کے ہمراہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ایک عورت نے ذکر کیا۔

"ام المومنین! میری ایک لونڈی تھی۔ میں نے اُسے زید بن ارقم کے ہاتھ آٹھ سو درہم میں بیچ ڈالا لیکن انہوں نے قیمت اس وقت نہیں دی بلکہ یہ کہا کہ جب وظیفہ کی رقم ملے گی تو ادا کر دیں گے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے بھی اس لونڈی کو بیچنے کا ارادہ کیا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے چھ سو درہم نقد دے کر وہ لونڈی ان سے خرید لی۔" (اور اس طرح مجھے دو سو درہم فائدہ

رہا حضرت عائشہ رضؓ نے یہ سن کر فرمایا "تم نے بھی برا کیا اور زید نے بھی برا کیا زید کو میری طرف سے کہہ دینا کہ اگر انہوں نے توبہ نہ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں انہوں نے جہاد کا جو ثواب حاصل کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔" یہ سن کر اُس عورت کو کہا "ام المومنین! آپ کا مطلب یہ ہے کہ اب ان سے لونڈی کی صرف اصل قیمت لینے کا اختیار ہے؟" انہوں نے فرمایا "ہاں" اور یہ کہہ کر یہ آیت پڑھی۔ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ (جس شخص کو اپنے پروردگار کی طرف سے (سود کے بارے میں) نصیحت آچکی اور یہ نصیحت سن کر وہ سود لینے سے باز آگیا تو اُسے اپنے قرضخواہوں سے صرف اسی قدر لینا چاہیئے جس قدر پہلے دیا تھا"

(مصنف عبدالرزاق۔ سنن بیہقی۔ سنن دارقطنی)

باب النکاح

شادی بیاہ کے مسائل

ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ کسی عورت نے حضرت عائشہ سے متعہ کی حلت وحرمت کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا "ہمارے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ فیصلہ کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ والذین لفروجہم حافظون۔ الا علی ازواجہم اوما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین۔ فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العدون (وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا اپنی لونڈیوں کے ان پر کوئی ملامت نہیں۔ لیکن جو اس حد سے آگے بڑھتے ہیں وہ یقیناً زیادتی کرنے والے ہیں)

پس جو شخص اپنی منکوحہ بیوی اور لونڈی کے علاوہ اور کسی سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ وہ یقیناً خدائی فرمان کے خلاف کرتا ہے" (حاکم)

مسلم نے اپنی صحیح حدیث میں شعبی کی ایک روایت درج کی ہے۔ جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا اور اُن سے اس فیصلہ کے متعلق دریافت کیا جو ان کے مقدمہ طلاق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا" مجھے میرے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور عرض کیا کہ حضور میرے شوہر کو حکم دیں کہ وہ طلاق کی مدت ختم ہونے تک میری رہائش اور نان ونفقہ کا بندوبست کرے۔ لیکن حضور نے میرے دعوے کو تسلیم نہ کیا"۔

بخاری اور ابوداؤد میں عروہ کی ایک روایت درج ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ فاطمہ بنت قیس پر سخت نکتہ چینی کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ فاطمہ کا مکان سنسان اور ویران جگہ پر واقع تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہاں سے منتقل ہونے کی ہدایت فرمائی تھی"۔

---

[1] ورنہ اسلام کا حکم یہی ہے کہ مطلقہ عورت عدت کے دن اپنے شوہر کے گھر میں گزارے (مترجم)

مسلم نے عروہ کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ سعید بن عاص کے لڑکے عبدالرحمٰن بن حکم کی لڑکی سے شادی کی لیکن بعد میں اسے طلاق دے کر اپنے گھر سے نکال دیا۔ میں نے اس کے اس فعل پر اعتراض کیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ فاطمہ بنت قیس بھی تو طلاق ہونے کے بعد اپنے شوہر کے گھر سے نکل آئی تھیں۔ عروہ کہتے ہیں میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور یہ ماجرا ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا "فاطمہ بنت قیس کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ یہ حدیث بیان کریں"۔

باب جامع

متفرق مسائل

امام بخاریؒ نے قاسم کی ایک روایت اپنی صحیح حدیث میں درج کی ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "جو شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ وہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف جبریل کو اپنی اصلی صورت اور خلقت میں دیکھا ہے۔ اور اس حالت میں دیکھا ہے کہ ان کا وجود زمین و آسمان کی پہنائیوں پر محیط تھا"

مسلم نے مسروق کی ایک روایت بیان کی ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں "میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا "تمہاری بات سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ سنو! جو شخص تم سے کہتا ہے کہ رسول اللہ نے اپنے رب کو دیکھا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے"۔ اس کے بعد یہ آیت پڑھی لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار۔ وھو اللطیف الخبیر (آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں لیکن وہ آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لطیف اور خبیر ہے) حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبریل کو دو مرتبہ ضرور دیکھا ہے۔

بخاری نے ابن ملیکہ کی ایک روایت درج کی جس میں وہ کہتے ہیں:۔

"ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے یہ آیت تلاوت کی حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا۔ میں (ابن ملیکہ) عروہ بن زبیر سے ملا اور ان سے کہا کہ ابن عباس "کُذِبُوْا" کے ذال کو بغیر تشدید کے پڑھتے ہیںؔ۔ انہوں نے

ؔ ابن عباس نے کُذِبُوا پڑھا تھا۔ اس صورت میں آیت کے لفظی معنی یہ بنتے ہیں کہ جب سارسول مایوس ہوگئے اور انہیں خیال پیدا ہوا کہ ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا ...... اور رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (مترجم)

کہا "حضرت عائشہؓ کے سامنے بھی ایک دفعہ یہی سوال پیش ہوا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ اس آیت کی قرأت کُذِبُوا نہیں بلکہ کُذِبوا ہے۔ انہوں نے یہ سنکر فرمایا " معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے متعلق یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے وعدوں کو جھوٹا سمجھنے لگتے ہوں گے اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کرتا ہے، رسولوں کو یقین ہوتا ہے کہ وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ آیت کا مطلب دراصل یہ ہے کہ رسولوں پر اس قدر مصیبتیں نازل ہوتی ہیں کہ انہیں یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ ان پے درپے مصائب اور آلام کو دیکھ کر ان کے ماننے والے ہی انہیں جھٹلانے لگیں گے۔ اس لئے تم اس آیت میں کذبوا کو ذال کی تشدید کے ساتھ پڑھو" (جس کے معنے جھٹلائے جانے کے ہیں نہ کہ تخفیف کے ساتھ جس کے معنے جھوٹا وعدہ کئے جانے کے ہیں)

طیالسی نے اپنی مسند میں مکحول کی ایک روایت درج کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں :۔

" ابوہریرہؓ روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نحوست تین چیزوں میں ہے۔ گھر میں، عورت اور گھوڑے میں، حضرت عائشہؓ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا" ابوہریرہ نے پوری حدیث

بیان نہیں کی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضور یہ بیان فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ نحوست تین چیزوں میں ہے۔ گھر میں۔ عورت میں اور گھوڑے میں۔ ابوہریرہ نے حدیث کا پہلا حصہ تو سنا نہیں، آخری حصہ سن کر روایت کرنا شروع کر دیا۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں ابوحسان الاعرج کے حوالے سے یہ روایت درج کی ہے۔ کہ دو آدمی حضرت عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیان کیا کہ ابوہریرہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدشگونی عورت، چوپائے اور گھر میں ہے۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا "اس خدا کی قسم! جس نے ابوالقاسم پر قرآن نازل فرمایا کہ اصل بات وہ نہیں ہے جو ابوہریرہ بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ بدشگونی عورت، چوپائے اور گھر میں ہوتی ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عائشہ رض نے یہ آیت پڑھی ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا (روئے زمین کے جس شخص پر بھی کوئی مصیبت آتی ہے۔ وہ ہم نے اس کی پیدائش سے پہلے ہی صحیفہ میں لکھ رکھی ہے)

بزار نے علقمہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں" ایک مرتبہ کسی شخص نے
حضرت عائشہ رض سے بیان کیا کہ ابوہریرہ رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا
حضرت عائشہ رض نے یہ سن کر فرمایا" وہ عورت کافرہ تھی"۔
علقمہ نے ابوہریرہ سے اس ایک روایت کے علاوہ اور کوئی روایت
بیان نہیں کی (بزار)
اسی حدیث کو قاسم بن ثابت قرسطی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔
علقمہ بن قیس کہتے ہیں ہم حضرت عائشہ رض کی خدمت میں حاضر ہوئے
ہمارے ساتھ ابوہریرہ بھی تھے۔ حضرت عائشہ رض نے ابوہریرہ سے مخاطب
ہوتے ہوئے کہا" ابوہریرہ! تم ہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے یہ حدیث روایت کرتے ہو کہ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ
سے عذاب دیا گیا۔ وہ اُسے باندھ کر رکھتی تھی نہ اسے خود کھانے کو دیتی
تھی اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ خود کہیں جا کر خوراک تلاش کرے۔ اسی
طرح وہ بھوک اور پیاس کی حالت میں مر گئی"۔ ابوہریرہ نے جواب دیا میں
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے"۔ حضرت عائشہ رض نے
فرمایا" اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مومن کا درجہ اس سے بلند ہے کہ وہ

اُسے ایک بلّی کی وجہ سے عذاب دے۔ وہ عورت اس کے ساتھ کافرہ بھی تھی۔ اے ابو ہریرہ! جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرنے لگو تو دیکھ لیا کرو کہ کیا کہتے ہو۔"

بخاری اور مسلم نے عروہ کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی کی ایک روایت درج کی ہے۔ جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازدواج نے حضور کی میراث کے سلسلے میں عثمان بن عفان کو سفیر بنا کر ابوبکر کے پاس بھیجنا چاہا تھا۔ اس پر میں نے ان سے کہا "کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہمارے مال کا کوئی وارث نہ ہو گا ہم اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑیں گے وہ صدقہ ہو گا۔

ابو عروبہ الحسین بن محمد الحرانی اور ابو منصور بغدادی، کلبی سے روایت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ابو ہریرہ رض نے بیان کیا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا پیٹ قے اور خون سے بھر جائے تو وہ اس امر سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرا ہوا ہو۔ حضرت عائشہ رض کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا۔ "ابو ہریرہ کو پوری حدیث یاد نہیں رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دراصل یہ فرمایا تھا کہ کسی شخص کا پیٹ قے اور خون سے بھر جائے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا پیٹ ان اشعار سے بھرا ہوا ہو جو میری ہجو میں کہے گئے ہوں"۔

عروہ کہتے ہیں کسی شخص نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب یہ حدیث منسوب کرتے ہیں کہ اگر مجھے خدا کی طرف سے ایک کوڑا بھی ملے تو مجھ کو کسی ناجائز بچے کے آزاد کرنے کے مقابلے میں پسند ہے اور یہ ولد الزنا تینوں میں (ماں باپ اور بچہ) بدتر ہے۔ اور میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جائے گا۔" حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر فرمایا "اللہ تعالیٰ ابوہریرہ پر رحم کرے انہوں نے اچھی طرح سنا نہیں تو اچھی طرح بیان بھی نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ فلا اقتحم العقبة وما ادراک ما العقبة فک رقبة (وہ گھاٹی میں نہیں گھسا اور تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ گھاٹی کیا ہے کسی غلام کو آزاد کرنا) تو صحابہ نے عرض کیا۔ ہم غریب لوگ ہیں، ہمارے پاس آزاد کرنے کے لئے لونڈی غلام کہاں؟ کسی کسی کے پاس سیاہ حبشن ہوتی ہے جو گھر کا کام کاج کر دیتی ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو انہیں پیشہ کرنے کی اجازت دے دیں۔ ان سے جو اولاد پیدا ہو، اسے ہم احکام الٰہی کی متابعت میں آزاد کر دیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اگر مجھے راہ خدا میں صرف ایک کوڑا دیا جائے تو وہ مجھ کو اس بات سے بدرجہا زیادہ پسند ہے کہ میں زنا کی اجازت دوں اور اس طرح جو بچہ پیدا

ہو وہ آزاد کیا جائے"۔

ابوہریرہ نے یہ جو کہا کہ والد الزنا تین بری چیزوں میں سے ایک ہے تو واقعہ اس طرح نہیں ہوا جس طرح ابوہریرہ نے بیان کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ مدینہ میں ایک منافق تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی ایذائیں دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے اس کا ذکر فرمایا تو کسی نے کہا کہ حضور ان تینوں باتوں کے علاوہ وہ ولد الزنا بھی ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا "وہ تینوں میں بدتر ہے یعنی اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ بُرا ہے" ورنہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)

ابوہریرہ نے تیسری حدیث یہ بیان کی ہے کہ میّت کو اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب عذاب دیا جائے گا تو یہ حدیث بھی اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے گھر کے پاس سے گزرے۔ وہ مرگیا تھا اور اس کے گھر والے واویلا کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں اور قبر میں اسے عذاب دیا جا رہا ہے، کسی کے رونے پر کسی دوسرے کو عذاب کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ اللہ خود فرماتا ہے۔ لا یکلف اللہ نفسًا الا وسعہا (اللہ تعالیٰ

کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا)

بخاری نے ابن عمرؓ کی یہ روایت اپنی صحیح میں درج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلال رات کو اذان دے دیتے ہیں اس لئے روزہ رکھنے والے لوگ ان کی اذان پر بدستور سحری کھاتے رہیں البتہ جب ابن ام مکتوم اذان دیں، اس وقت کھانا پینا موقوف کر دیا جائے"۔

لیکن بیہقی عروہ کے حوالے سے اس کے برعکس روایت درج کرتے ہیں اور وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابن ام مکتوم نابینا ہیں اس لئے جب وہ اذان دیں تو بدستور سحری کھاتے رہا کرو۔ لیکن بلال اس وقت تک اذان نہیں دیتے جب تک خود اپنی آنکھوں سے پو پھٹتے نہیں دیکھ لیتے اس لئے جب بلالؓ اذان دیں اس وقت کھانا پینا موقوف کیا کرو۔

اسی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "ابن عمر غلط کہتے ہیں"۔

ابوداؤد کے علاوہ صحاح کی باقی پانچ کتب میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دست کا گوشت لایا گیا۔ اور حضور نے اسے مزے سے کھایا۔

اس حدیث کی توضیح کرتے ہوئے امام ترمذی حضرت عائشہؓ کی ایک روایت

بیان کرتے ہیں جس میں وہ کہتی ہیں :-

"دست کا گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند نہ تھا بلکہ چونکہ ان دنوں گوشت بہت کم میسر آتا تھا۔ اور دست کا گوشت جلد گل جاتا تھا۔ اس لئے آپ اسی کو کھاتے تھے"۔

زندی میں ابورزین سے مروی ہے کہ ابو ہریرہؓ ہمارے پاس آئے، اپنا ہاتھ پیشانی پر مارا اور کہا:-

"تم میں سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث درست بیان نہیں کرتا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سنے ہیں کہ اگر کسی شخص کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جائے تو جب تک وہ اسے درست نہ کرلے ایک جوتے میں نہ چلے پھرے"۔

جب حضرت عائشہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ابو ہریرہؓ کی بیان کردہ حدیث کی تغلیط کے لئے ایک موزہ پہن کر چلنا شروع کر دیا۔

55

ترجمہ: شیخ محمد احمد پانی پتی

بک لینڈ۔ لاہور